کلیاتِ آغا حشر کاشمیری

(یہودی کی لڑکی، ترکی حور، رستم سہراب)

جلد چہارم

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

کلیات آغا حشر کاشمیری

4

(یہودی کی لڑکی، ترکی حور، رستم سہراب)

مرتبین
آغا جمیل کاشمیری
یعقوب یاور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک 1، آر کے پورم، نئی دہلی 066 110

Kulliyat-e Agha Hashr Kashmiri-4

Edited by : **Agha Jameel Kashmiri**

&

Yaqoob Yawar

©قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : اپریل، جون 2004 شک 1926

پہلا اڈیشن : 1100

قیمت : -/137

سلسلہ مطبوعات : 1161

ISBN: 81-7587-059-1

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی110006

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان علمی و ادبی کتابوں کی مکرّر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس لیے اس سے کما حقہٗ واقفیت بھی نئی نسلوں کے لیے ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت قدیم اور جدید عہد کے شاعروں اور نثر نگاروں تک تمام اہم اہلِ فکر و فن کی تصنیفات شائع کرنے کی خواہاں ہے تاکہ نہ صرف اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جا سکے بلکہ زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیات آغا حشر کاشمیری اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

	دیباچہ	7
1۔	یہودی کی لڑکی	21
2۔	ترکی حور	119
3۔	رستم سہراب	247

دیباچہ

ڈرامے کا تعلق تمثیل اور نقالی سے ہے یہی سبب ہے کہ اس کے ابتدائی نمونے ان علاقوں میں ملتے ہیں جہاں بت پرستی عام تھی ہندوستان اور یونان ایسے ہی خطے ہیں لیکن ان دونوں علاقوں میں ڈرامے کی روایت انفرادی طور پر پروان چڑھی۔ آگے چل کر جب دونوں میں تہذیبی روابط استوار ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ ہندوستان میں کالی داس کے ڈراموں کی فکری و فنی بلندی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا ایک صدی قبل مسیح سے کافی پہلے ہوئی ہوگی۔ بدھ اقتدار میں آئے تو انھوں نے بھی اسے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے مفید پایا۔ رفتہ رفتہ مختلف ناٹک منڈلیاں وجود میں آئیں جنھوں نے اس کی شکل ایسی بدلی کہ اس کا تعلق سماج کے نچلے طبقے سے رہ گیا۔

مسلمان ہندوستان آئے تو ان کا سابقہ ڈرامے کی اسی شکل سے پڑا۔ اول تو ان کا عقیدہ ایسی چیزوں کی سرپرستی کی اجازت نہیں دیتا تھا دوسرے اس عہد میں ڈرامے شرفا کے معیار پسند سے نیچے کی چیز ہو گئے تھے۔ اس لیے اس فن کی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی۔ البتہ شاہان اودھ کے آخری دور میں اس جانب توجہ دی گئی اور یہی اردو ڈرامے کے آغاز کا زمانہ ہے، جب سید آغا حسن امانت لکھنوی نے اندرسبھا کی تخلیق کی جسے اسٹیج پر بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں امانت کی نقل میں متعدد اندر سبھائیں لکھی گئی۔ حتی کہ یہ لفظ ڈرامے کے متبادل کے طور پر استعمال

ہونے لگا۔ یہ اندر سبھائیں ملک کے مختلف حصوں میں اسٹیج کی گئیں۔

اسی زمانے میں عروس البلاد بمبئی میں بھی اردو ڈراموں کی جانب لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ یہاں کی روایت کا سلسلہ اودھ کے بجائے انگریزی اور مراٹھی اسٹیج سے جڑا ہوا تھا۔ لوگوں کی غیر معمولی دلچسپی نے اسے ایک منافع بخش کاروبار کی شکل دے دی تھی۔ کاروباری مسابقت نے اسے پھلنے، پھولنے اور نکھرنے کے وافر مواقع فراہم کئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اردو ڈراموں کے افق پر آغا حشر کاشمیری نمودار ہوئے۔

آغا حشر کی پیدائش بنارس میں 3/4/اپریل 1879 کی درمیانی شب میں ہوئی۔ ان کے اجداد کاتعلق ان کے والد آغا غنی شاہ تک کشمیر سے قائم رہا لیکن خود آغا حشر کا راست تعلق کشمیر سے نہیں تھا۔ والدین نے ان کا نام آغا محمد شاہ رکھا لیکن بعد میں انھیں شہرت آغا حشر کاشمیری کے نام سے ملی۔

جیسا کہ ان دنوں شرفا کے گھروں میں رواج تھا ،آغا حشر کو عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم مولوی حافظ عبد الصمد نے دی جو اس زمانے کے مشہور معلم تھے۔ آغا صاحب کے والد انھیں عالم دین بنانا چاہتے تھے لیکن خود آغا حشر کو انگریزی تعلیم سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ خاندان کے بعض افراد کے اصرار پر ان کا داخلہ جے نرائن اسکول میں کرا دیا گیا، جہاں انھوں نے درجہ چھ تک تعلیم حاصل کی۔جب تک وہ اس اسکول میں زیر تعلیم رہے، اپنی ذہانت سے اپنے اساتذہ کا دل جیتتے رہے۔ اسی زمانے میں انھیں شاعری کا شوق ہوا اور وہ فارسی اور اردو میں شعر کہنے لگے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی آغا حشر کو ڈرامے سے دلچسپی ہوگئی تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اپنے ہم جماعتوں کو ساتھ لے کر اسکول سے متصل قبرستان میں چادریں تان کر اندر سبھا اسٹیج کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں جبلی تھیٹریکل کمپنی بنارس آئی۔ طلب علموں کو رعایتی داموں پر ٹکٹ فراہم کرنے سے انکار پر آغا حشر نے رفیع الاخبار میں اس کمپنی کے ڈراموں پر شدید نکتہ چینی کی۔

کمپنی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا تو آغاحشر نے اور شدت سے حملہ کیا۔ اس اخبار بازی سے بچنے کے لیے کمپنی کے مالکوں نے حشر کو مفت ڈراما دیکھنے کی دعوت دے کر مصالحت کرلی اس طرح نہ صرف آغا حشر کو ڈراما دیکھنے کا موقع ملنے لگا بلکہ کمپنی کے ڈائریکٹر امرت لال اور ڈراما نویس مہدی حسن احسن لکھنوی سے بھی اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ایک دن کسی بات پر احسن صاحب سے بحث ہوگئی جس کے دوران حشر نے ان سے کہہ دیا کہ جیسا ڈراما آپ لکھتے ہیں، میں ایک ہفتے میں لکھ سکتا ہوں۔ احسن صاحب جیسے پختہ کار کے سامنے ایک نوجوان کا یہ دعویٰ تعلّی کے مترادف تھا تاہم اسے نبھانے کے لیے آغا حشرؔ نے نہ صرف ڈراما ''آفتاب محبت'' لکھا بلکہ دوستوں کا ایک کلب بنا کر اسے اسٹیج بھی کر دکھایا۔ یہی آغا حشرؔ کا پہلا ڈرامہ ہے جو 1897ء میں جواہر اکسیر پریس، بنارس میں چھپ کر شائع ہوا۔

ایک طرف آغا حشرؔ کی دلچسپیوں کا یہ حال تھا ، دوسری طرف ان کے والد آبائی کاروبار میں ان کی دلچسپی نہ دیکھ کر ان کے مستقبل کی طرف سے فکر مند تھے۔ چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد انھوں نے اپنے رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے بنارس میں میونسپل بورڈ میں ان کے لیے ایک معقول ملازمت کا انتظام کردیا۔ اس ملازمت کے لیے کچھ زرِ ضمانت مطلوب تھا۔ آغا غنی شاہ بیٹے کو ساتھ لے کر میونسپلٹی گئے لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے مطلوبہ رقم آغا حشر کے حوالے کر کے گھر چلے آئے۔ اتفاقاً کوئی ایسی صورت پیش آئی کہ یہ رقم اس دن میونسپلٹی کے خزانے میں جمع نہ ہوسکی۔ جب آغا حشرؔ گھر لوٹ رہے تھے تو راستے میں انھیں کچھ دوست مل گئے جن کی خاطر مدارات میں اچھی خاصی رقم خرچ ہوگئی اس کے بعد والد کی جواب طلبی کے خوف سے ان کا رخ گھر کے بجائے اسٹیشن کی جانب مڑ گیا اور وہ بمبئی جا پہنچے۔

بمبئی آغا حشر کے لیے نئی جگہ تھی۔ ان کے علم میں تھا کہ ان کے ایک دوست عبداللہ بمبئی میں رہتے ہیں۔ وہ انھی کے پاس پہنچے اور ان کے ساتھ رہنے

لگے۔ عبداللہ شاعری کے دلدادہ تھے۔ اتفاق سے اسی دن بمبئی میں کوئی مشاعرہ تھا۔ وہ آغا حشر کو لے کر اس میں شریک ہوئے۔ یہاں کسی بات پر بمبئی پنچ کے ایڈیٹر مولوی فرخ سے ان کی جھڑپ ہوگئی۔ اور یہ جھگڑا بمبئی پنچ کے صفحات تک آگیا۔ اس طرح آغا حشر شہر کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد اپنے ایک دوست کے اصرار پر وہ الفریڈ کمپنی کے مالک کاوس جی پالن جی کھٹاؤ سے ملے۔ کاوس جی اس وقت چائے پی رہے تھے۔ حشر نے ان کے حسب فرمائش چائے پر ایک فی البدیہہ نظم کہہ کر سنائی۔ اس کے بعد انھوں نے حشر کو دوسرے دن ملنے کے لیے کہا۔ حشر یہ سمجھے کہ کاوس جی نے انھیں بڑے سلیقے کے ساتھ ٹال دیا ہے۔ یہ غلط فہمی دور ہونے کے بعد جب وہ کاوس جی سے ملے تو انھیں الفریڈ کمپنی میں ڈرامانویس کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا اور ۳۵ روپیہ ماہانہ مشاہرہ طے ہوا۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے سب سے پہلے مرید شک (1899) لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے چند ماہ بعد مار آستین (1899) تصنیف کیا۔ اس ڈرامے کو بھی اسٹیج پر غیرمعمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

حشر کی مقبولیت بڑھی تو مختلف ڈراما کمپنیوں کی طرف سے انھیں ملازمت کی پیش کش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے ڈیڑھ سو روپے ماہوار پر نو روز بی پری کی کمپنی کی ملازمت قبول کر لی۔ یہاں انھوں نے اسیر حرص 1901 لکھا۔ یہ ڈراما بھی بے حد پسند کیا گیا۔ حشر کی اس روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر کاوس جی کھٹاؤ نے انھیں دو بارہ ساڑھے تین سو روپے ماہانہ پر اپنے یہاں بلا لیا۔ اس بار اُن کی کمپنی کے لیے انھوں نے شہید ناز 1902 لکھا جو حسب روایت کافی مقبول ہوا۔اس کے بعد انھوں نے اڈیسر بھائی ٹھوٹھی کی کمپنی کے لیے 1906 میں سفید خون اور 1907 میں صید ہوس اور سہراب جی اُگرا کی کمپنی کے لیے 1908 میں خواب ہستی اور 1909 میں خوبصورت بلا ڈرامے لکھے جنھیں خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

ڈراما نویس کے طور پر بے حد مقبول ہونے کے باوجود آغا حشر اپنی موجودہ

حیثیت سے ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھے۔ انھیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی کہ مالکان کمپنی ان کی تحریروں میں اپنی صوابدید کے مطابق تحریف اور کاٹ چھانٹ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد کے ایک تعلقہ دار کے اشتراک سے 1909 میں انھوں نے دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف حیدرآباد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے سہراب جی اگرا کی کمپنی کے لیے لکھا گیا ڈرامہ خوبصورت بلا اسٹیج کیا۔ اس کے بعد اگلے سال 1910 میں اپنا پہلا مجلسی ڈرامہ سلور کنگ عرف نیک پروین لکھ کر پیش کیا۔ اسی سال یہودی کی لڑکی عرف مشرقی حور بھی اس کمپنی کے اسٹیج پر دکھایا گیا۔ حیدرآباد میں مقبولیت کے ڈنکے بجانے کے بعد یہ کمپنی سورت ہوتی ہوئی بمبئی پہنچی اور یہیں ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آغا حشر نے 1912 میں جالندھر کے بھائی گیان سنگھ کی نو تشکیل کمپنی میں پانچ سو روپے ماہ وار پر ڈرامہ نویس کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ لیکن جلد ہی امرتسر میں یہ کمپنی بھی بند ہوگئی۔

1913 میں آغا حشر نے اپنے ڈراموں کی اداکارہ حور بانو سے لاہور میں شادی کرلی۔ اسی زمانے میں انھیں دہلی میں ایک عوامی استقبالیہ دیا گیا جس میں انھیں انڈین شیکسپیر کے خطاب سے نوازا گیا۔ لاہور پہنچ کر انھوں نے اپنی دوسری کمپنی انڈین شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ یہ کمپنی مختلف شہروں کا دورہ کرتی ہوئی کلکتہ پہنچی۔ یہاں آغا حشر ریلوے پلیٹ فارم سے نیچے گر گئے جس کے نتیجے میں ان کے دائیں پیر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ انھیں کافی عرصے اسپتال میں رہنا پڑا۔ اسی علالت کے دوران انھوں نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنا پہلا ہندی ڈرامہ بھگت سور داس عرف بلوا منگل 1914 لکھوایا جو ان کے چھوٹے بھائی آغا محمود شاہ کی ہدایت میں پہلی بار اسٹیج ہوا۔ اس کے بعد کمپنی کھڑگ پور ، مظفر پور اور پٹنہ ہوتی ہوئی بنارس آئی۔ قیام بنارس کے دوران آغا حشر کے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی جو صرف تین ماہ زندہ رہ کر لکھنؤ میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔کمپنی یوپی اور پنجاب کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی لاہور ہوتے ہوئے سیالکوٹ پہنچی۔ یہاں آغا حشر اپنی زندگی کے ایک اور بڑے حادثے سے ہم کنار ہوے۔ ان کی اہلیہ جن کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی ایک طویل علالت کے بعد

1918میں لاہور میں انتقال کر گئیں۔ شریک حیات کی اس مفارقت نے آغا صاحب پر کچھ ایسے نفسیاتی اثرات مرتب کئے کہ وہ کمپنی کا سارا سامان سیالکوٹ میں چھوڑ کر بنارس چلے آئے۔ اور بہت دنوں تک یہیں آرام کرتے رہے۔ بعد ازاں وہ رستم جی کی دعوت پر کلکتہ گئے اور جے ایف مڈنس کمپنی میں ایک ہزار روپے ماہانہ پر ملازم ہوگئے۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے مشرقی ستارہ عرف شیر کی گرج لکھا (1918) چونکہ کلکتے کے مارواڑی عوام ہندی ڈراموں کے شوقین تھے، اس لیے آغا حشر نے اس زمانے میں بطور خاص ہندی میں لکھنا شروع کیا اور مدھر مرلی (1919) بھارت رمنی (1920) بھگیرتھ گنگا (1920) ایوم پراچین اور نوین بھارت (1921) جیسے ڈرامے لکھے اس کے بعد اردو میں ترکی حور (1922) اور ہندی میں سنسار چکر عرف پہلا پیار (1922) لکھا۔ اسی زمانے میں کلکتہ کی اسٹار تھیٹریکل کمپنی کے لیے انھوں نے بنگلہ زبان میں اپرادھی کے (1922) اور مصر کماری (1922) بھی لکھے۔ اسی کے ساتھ (1919اور 1923 کے درمیان انھوں نے مڈنس کمپنی کی خاموش فلموں میں اپنی اداکاری کے فن کا بھی مظاہرہ کیا۔ مڈنس کے لیے انھوں نے ترکی حور اور سنسار چکر عرف پہلا پیار کے بعد بھیشم پرتگیا (1923) اور آنکھ کا نشہ (1924) لکھے جنھیں زبردست عوامی مقبولیت ملی۔

شہرت اور مقبو لیت کی اس بلندی پر پہنچنے کے بعد آغا حشر کے دل میں ایک بار پھر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی کمپنی قائم کریں۔ چنانچہ 1925 میں بنارس میں دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف کلکتہ کی بنیاد پڑی۔ اسے لے کر آغا حشر دورے پر نکلے۔ یہ کمپنی جب بہار اور یوپی کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی الہ آباد پہنچی تو مہا راجہ چرکھاری نے جو ان دنوں الہ آباد آئے ہوئے تھے۔ آغا حشر سے سیتا بن واس کے موضوع پر ہندی میں ڈراما لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا حشر نے وعدہ کر لیا اور بنارس آکر اس ڈرامے کی تکمیل کی (1928) یہ ڈراما مہا راجہ کو بے حد پسند آیا چنانچہ انھوں نے اسے آٹھ ہزار روپے خرید لیااور آغا صاحب کو مع اپنی کمپنی کے چرکھاری آنے کی دعوت دی۔ وہاں انھوں نے نہ صرف آغا حشر کی

شاگردی اختیار کی بلکہ پچاس ہزار روپے کی گراں قدر رقم کے عوض ان کی کمپنی بھی خرید لی اور آغا صاحب کو ہی اس کا نگراں مقرر کر دیا۔ یہاں سیتا بن واس کا پہلا دیوناگری ایڈیشن جس کی تعداد اشاعت صرف دو جلد تھی (ایک آغا حشر کے لیے اور ایک مہاراجہ چرکھاری کے لیے) ولسن پریس چرکھاری سے مئی 1929 میں شائع ہوا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد کسی بات پر خوش ہو کر مہا راجہ نے کمپنی آغا حشر کو واپس لوٹا دی اور وہیں سے یہ معمول کے دورے پر کانپور کے لیے روانہ ہو گئی۔

اسی درمیان مڈنس تھیٹر ز لینڈ نے آغا صاحب کو کلکتے بلایا۔ چنانچہ وہ کمپنی کو آغا محمود شاہ کے حوالے کر کے کانپور ہی سے کلکتے چلے گئے۔ وہاں رہ کر انھوں نے مڈنس کی بمبئی شاخ دی امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف بامبے کے. لیے اردو میں رستم سہراب (1929) لکھا جو اسی سال اسٹیج کیا گیا۔ اس کے علاوہ کلکتے میں قیام کے اس زمانے میں انھوں نے مڈنس کے لیے ہندی کے تین ڈرامے دھرمی بالک عرف غریب کی دنیا (1929) بھارتی بالک عرف سماج کا شکار (1930) اور دل کی پیاس (1931) لکھے جو ہندی ڈرامے کی روایت میں ایک گراں قدر بلکہ انقلاب آفریں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آغا حشر نے 1931 میں مڈنس کی ملازمت چھوڑ دی اور بنارس آگئے۔ یہاں ان کے پیر میں چوٹ آگئی۔ دیسی دواؤں سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو وہ علاج کے غرض سے کلکتے پہنچے۔ اس درمیان وہ اور بھی کئی امراض میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ ماہر امراض قلب ڈاکٹر سنیل بوس کا علاج شروع ہوا۔ یہ دور سخت پرہیز کا تھا۔ ان دنوں کلکتے میں بولتی فلموں کا رواج بڑھ رہا تھا۔ مڈنس تھیٹرز کے مینیجنگ ڈائرکٹر فرام جی نے جو پانیر فلم کمپنی کے مالک بھی تھے، آغا حشر سے فلمی ڈرامہ لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا صاحب نے ان کے لیے شیریں فرہاد لکھا جس میں ماسٹر نثار اور مس کجن نے بنیادی کردار ادا کیے۔ اس فلم کی مقبولیت نے دوسری فلم کمپنیوں کو آغا حشر کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے فرمائشوں کی یلغار ہونے لگی جن کی تعمیل میں انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے فلمی ڈراما عورت کا پیار لکھا جو کافی مقبول

ہوا۔ اسی زمانہ میں انھوں نے فرام جی کے لیے مزید دو ڈرامے دل کی آگ (1931) اور شہید فرض (1931) لکھے جو مختلف وجوہ سے فلمائے نہیں جا سکے۔ ان کے علاوہ نیو تھیٹرز کے لیے یہودی کی لڑکی اور چنڈی داس ڈرامے لکھے ان کا تیار شدہ فلمیں کافی مقبول ہوئیں۔ اسی دوران مڈنس نے بھگت سورداس (1914) شرون کمار (1931) اور آنکھ کا نشہ (1924) پر ہندی میں اور ترکی حور (1922) اور قسمت کا شکار پر اردو میں فلمیں بنائیں جنھیں عوام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

آغا حشر کی بیماری کا سلسلہ دھیرے دھیرے طول پکڑتا جا رہا تھا لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے شخص نہ تھے۔ اسی عالم میں انھوں نے 1934 میں اپنی فلم کمپنی بنائی اور رستم سہراب کو فلمانے کا ارادہ کیا۔ کرداروں کا انتخاب ہونے کے بعد ریہرسل ہورہی تھی کہ ایک مقدمے کے سلسلے میں انھیں لاہور جانا پڑا۔ یہاں انھوں نے اپنے دوست حکیم فقیر محمد چشتی کا علاج شروع کیا اور یہیں چند دوستوں کے مشورے پر حشر کلچرز کی بنیاد ڈال کر بھیشم پتامہ کی شوٹنگ شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انھیں کئی بار جموں اور سری نگر کا سفر بھی کرنا پڑا۔ اس مسلسل تگ ودو نے ان کی صحت پر مزید برا اثر ڈالا اور مصروفیات کے سبب حکیم صاحب کا علاج بھی باقاعدگی سے جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسی بیماری میں 28/اپریل 1935 کو شام کے چھ بجے ان کا انتقال ہوگیا۔ حکیم فقیر محمد چشتی نے آغا محمود شاہ کو کلکتے فون کرکے ان سے لاہور ہی میں تدفین کی اجازت لے لی اور آغا صاحب مرحوم کی وصیت کے مطابق اگلے دن یعنی ۲۹/اپریل کو دن میں میانی صاحب کے قبرستان چار برجی میں انھیں ان کی اہلیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس کلیات میں شامل ڈراموں کے مطالعے سے پہلے مندرجہ ذیل بنیادی باتوں کا جان لینا ضروری ہے تاکہ دوران مطالعہ پیدا ہونے والے سوالات کا تشفی بخش جواب مل سکے۔

۱۔ 'مار آستین' (1899) آغا حشر کا واحد ڈراما ہے جسے بہ ظاہر انھوں نے

اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنا کوئی ڈراما اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ برجستہ مکالمات بولتے جاتے تھے اور بہ یک وقت کئی منشی انھیں قلم بند کرتے رہتے تھے۔ منشیوں کے لکھے ہوئے ان مسودوں کو وہ شاید ہمیشہ دیکھتے بھی نہیں تھے۔ اور ان منشیوں کی اردو بس واجبی سی تھی اور املا ناقص۔ چنانچہ ان مسودوں میں جگہ جگہ املا کی غلطیاں موجود ہیں، جنھیں مرتبین نے درست کیا ہے۔ آغا حشر کی نظر میں ان مسودوں کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے سنسر کے لیے مقرر حاکم مجاز کہانی کو سمجھ لے کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور کردار ادا کرنے والے ایکٹر ان کی مدد سے اپنے مکالمے یاد کرلیں۔ انھوں نے ان مسودوں کی تیاری کے دوران کبھی یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ ان کا استعمال انھیں شائع کرنے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ آغا حشر چونکہ اپنے بیش تر ڈراموں کے ہدایت کار بھی خود ہی ہوتے تھے اس لیے اکثر حالات میں انھیں مسودوں میں ہدایات اور مناظر کی تفصیل تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ جن ڈراموں میں ہدایات موجود نہ تھیں، ان میں مرتبین نے ان کا اضافہ کیاہے۔ جہاں ایسا کیا گیا ہے، اس کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

۳۔ ایک ہی ڈارمے کے ایک سے زائد مسودے موجود ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی بھی شہر یا ریاست میں ڈراما اسٹیج کرنے سے پہلے اس شہر یا ریاست کے حاکم مجاز سے اسے سنسر کرانا ضروری ہوتا تھا۔ اس غرض سے ہر بار ڈرامے کی نئی نقل تیار کر کے حکام کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ جہاں سے مسودے پر checked and found nothing objectionable کا نوٹ لکھوا لینے کے بعد ہی اسے اسٹیج کیا جا سکتا تھا۔ بیش تر مسودوں پر یہ نوٹ موجود ہے۔

۴۔ عوامی مقبولیت حاصل کر لینے والے کسی ڈرامے کے چند شو مکمل ہوجانے کے

بعد اس میں نیاپن پیدا کرنے اور ناظرین کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی غرض سے اس میں کبھی بعض نئے مناظر جوڑ دیے جاتے تھے اور کبھی بعض مناظر نکال دیے جاتے تھے۔ ان مناظر کو ڈرامے سے نکال دینے کا سبب ان کی خامیاں یا کمزوریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایسا محض تبدیلی یا نیا پن پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ آغا حشر کبھی یہ کام ڈراما کمپنیوں کے مالکان کی فرمائش پر کرتے تھے اور کبھی اپنے طور پر۔ اپنے طور پر عموماً اس وقت جب وہ خود ہی کمپنی کے مالک بھی ہوتے تھے۔

۵۔ آغا حشر کا مرکز نگاہ (Target) وہ عام لوگ تھے جو اپنا پیسہ خرچ کر کے ان کے ڈرامے دیکھنے آتے تھے، وہ نہیں جو ادب کو فن لطیف کی حیثیت سے قبول کر کے اپنے اپنے گھروں میں اس کا لطف لینے کے عادی تھے۔ ڈراموں کی تخلیق کے دوران ادب ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے ان کی پوری توجہ ڈرامے کو دیکھے جانے اور ان ناخواندہ اور کم سواد ناظرین کے نقطہ نظر سے پسندیدہ اور دلچسپ بنانے پر صرف ہوتی تھی، جن کے لیے یہ ایک سہل الحصول اور سستا وسیلہ تفریح تھا۔ شعر و سخن کے شائقین اور ادب کے سنجیدہ قارئین کی خاطر اس کی نوک پلک سنوارنے سے انھیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ تھیٹر دیکھنے آنے والوں کی اکثریت پہلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور انھی کی پسند پر مالی اعتبار سے کسی ڈرامے کی کامیابی کا دار و مدار ہوتا تھا۔ ناقدین کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ ڈراموں میں اپنی بھرپور ادبی صلاحیت کا استعمال نہیں کر سکے۔

۶۔ اکثر ایک ہی ڈرامے کے دو مسودوں میں کرداروں کے نام بدلے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات کرداروں کے ناموں کے ساتھ ساتھ مقامات کے نام بھی تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر 'آنکھ کا نشہ' (1924) کے ایک مسودے میں کردار کالی داس، گوری ناتھ، سوہن اور کامنی ہیں۔ اس کا پس منظر بنارس ہے۔ جب کہ اسی ڈرامے کے ایک دوسرے مسودے میں

کرداروں کے نام جگل کشور، بنی پرساد، مادھو اور کام لتا ہیں اور اس کا پس منظر کولکتہ ہے۔ ان صورتوں میں مرتبین نے بعد میں لکھے جانے والے مسودوں کو بنیاد بنایا ہے۔

۷۔ کلیات کی ترتیب میں مسودوں میں مستعمل قدیم املا کو جدید املا میں بدل دیا گیا ہے۔

۸۔ ایک ڈرامے کے ایک سے زائد ناموں سے موسوم ہونے کا سبب یہ ہے کہ آغا حشر ڈرامے میں معمولی تبدیلیاں پیدا کر کے عوام کو باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ ڈراما اس ڈرامے سے مختلف ہے جو وہ پہلے کسی اور نام سے دیکھ چکے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ بھی اسے دوبارہ دیکھنے آئیں جو پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح کی تبدیلی صرف آغا حشر نے نہیں کی ہے بلکہ اس عہد کی تمام ڈراما کمپنیاں یہی کرتی تھیں۔

۹۔ آغا حشر کی ہندی اپنے معاصر اردو فن کاروں کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ لیکن اردو ان کی فطری اور مادری زبان تھی۔ چنانچہ ان کے ہندی ڈراموں کو پڑھتے وقت بار بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہندی میں مکالمے لکھواتے لکھواتے یک بہ یک اردو بولنے لگتے تھے۔ پھر جیسے ہی انھیں خیال آتا تھا کہ جو ڈراما لکھوایا جا رہا ہے وہ اردو میں نہیں ہندی میں ہے تو وہ پھر ہندی کی طرف آجاتے تھے۔ لیکن یا تو اپنی عدیم الفرصتی کے باعث یا محض تساہل کی بنا پر اتنی اردو رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ وہ مکمل ڈراما پہلے اردو میں لکھاتے رہے ہوں گے اور بعد میں اس کا ہندی میں ترجمہ کرتے ہوں گے۔ اس کا امکان کم ہے کیوں کہ ایسا ہوتا تو بے خیالی میں جہاں وہ فارسی آمیز اردو لکھوا گئے ہیں اسے درست ہوجانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے غالب امکان اسی بات کا ہی ہے کہ وہ فی البدیہہ اور براہ راست ہندی میں ہی ڈراما لکھواتے تھے۔ یہ بات تو اب سب ہی جانتے ہیں کہ وہ ڈرامے ٹہل ٹہل کر منشیوں کو لکھوایا

کرتے تھے۔

۱۰۔ آغا حشر کے ڈرامے بلا اجازت چھاپنے والے پبلشروں نے ان ڈراموں کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی ہے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ جو مکالمے یا حصے ان کی سمجھ میں نہیں آئے، ان کو اپنی طرف سے لکھ دیا ہے بلکہ اکثر ان کے ہندی ڈراموں کو کسی اچھے ہندی جاننے والے سے مشکل اور سنسکرت آمیز ہندی میں منتقل کروا کر چھاپا ہے۔ اس تعلق سے بنارس کے ٹھاکر پرساد اینڈ سنز کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جو آغا حشر کی ناک کے نیچے یہ کام دھڑلے سے کر رہے تھے۔ آغا حشر نے ذاتی طور پر کبھی اس جانب توجہ نہیں دی۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغاحشر کے جعلی ایڈیشن چھاپنے والے پبلشرز اپنے منشیوں کو آغا حشر کے لکھے ڈرامے دیکھنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، جہاں سے وہ اس کے مکالمات نوٹ کر لاتے تھے۔ یہ کام ایک ساتھ ایک سے زائد منشیوں سے کروایا جاتا تھا۔ بعد میں ان کی تحریروں کو ترتیب دے کر اور جو حصے ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے ان میں حسب ضرورت اصلاح کر کے یا انھیں اپنی طرف سے ازسرنو لکھ کر ڈراما شائع کردیا جاتا تھا۔ اصلاح و ترمیم کا یہ کام عموماً وہی منشی انجام دیتے تھے جنھیں نمائش کے دوران ان ڈراموں کی نقل کے کام پر مامور کیا جاتا تھا۔

۱۱۔ آغا حشر نے اپنے ہندی ڈراموں کے لیے جو گانے لکھے ہیں ان میں بیش تر فارسی وزن اور بحروں کا استعمال کیا ہے۔ البتہ جہاں جہاں انھوں نے لوک گیتوں، دوہوں یا موسیقی کی لوک دھنوں کو اپنایا ہے وہاں فطری طور پر عروضی ڈھانچہ بھی ہندوستانی ہوگیاہے۔ انھوں نے بعض ہندی الفاظ کو ان کے رائج عوامی تلفظ کے مطابق استعمال کیا ہے۔

۱۲۔ یہ معاصر ماحول میں رچی بسی انگریزی زبان کے اثرات کا نتیجہ ہے یا پھر شعوری طور پر ایسا کیا گیا ہے کہ عمومی بات چیت کے مکالموں میں آغا حشر

نے حال استمراری (Present Imperfect) کی بجائے حال قریب (Present Indefinite) کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ اردو میں انگریزی کے اس صیغے (Tense) کا استعمال کم ہی ہوتا ہے۔ اردو میں عام طور پر 'وہ جاتا ہے' کے بدلے 'وہ جا رہا ہے' کا پیرایہ بیان زیادہ مقبول ہے۔ اور جب 'وہ جاتا ہے' کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عادت کے اظہار کا کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ایسی جگہوں پر اس کا مفہوم 'وہ جایا کرتا ہے' ہو جاتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ آغا حشر نے ڈرامے میں ایک مصنوعی فضا قائم کرنے کے لیے یہ انداز بیان اختیار کیا ہو۔

اس کلیات کی ترتیب کے دوران ہمیں مسلسل اردو کے معتبر محقق پروفیسر حنیف نقوی صاحب، سابق صدر، شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں۔ اگر ان کی خاص توجہ نہ ہوتی تو شاید یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ ہی نہ پاتا۔ مسودوں کی تلاش، چھان بین اور انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے میں خانوادہ حشر کی تیسری نسل سے تعلق رکھنے والے جناب آغا نہال احمد شاہ کاشمیری نے جس طرح ہماری مدد کی ہے، اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

آغاحشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کی اشاعت یا مسودوں کے تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیرمصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر

کی دین پر خاطر خواہ گفتگو ہو سکے گی۔ اس کام کے لیے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ صاحب اور دیگر اراکین بالخصوص ڈاکٹر روپ کرشن بھٹ اور ڈاکٹر رحیل صدیقی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہر طرح سے تعاون کیا۔

مرتبین

بنارس

31/اکتوبر 2003

یہودی کی لڑکی

یہودی کی لڑکی (1910-11)

یہ ڈراما بھی آغاحشر نے 1910 اور 1911 کی درمیانی مدت میں اپنی کمپنی 'دی گریٹ الفریڈ کمپنی حیدرآباد' کے لیے لکھا تھا۔ چنانچہ یہ پہلی بار اسی کے اسٹیج پر پیش ہوا۔ بعد میں اسے مختلف اوقات میں 'مشرقی ستارا' اور 'وفا کی پتلی' کے نام سے بھی اسٹیج کیا گیا۔ یہ ان کے چند مقبول ترین ڈراموں میں سے ایک ہے، جس پر بعد میں فلم بھی بنی۔ اس ڈرامے میں انھوں نے رومنوں کے ان مظالم کی داستان بیان کی ہے جو انھوں نے یہودیوں کے ساتھ روا رکھے تھے۔ اس موضوع پر دیگر معاصر کمپنیوں کے ڈراما نویسوں نے بھی ڈرامے لکھے لیکن وہ 'یہودی کی لڑکی' کی مقبولیت کو نہ پہنچ سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے ناظرین بیروں ملکوں کے رہن سہن اور وہاں کے ملبوسات کو اسٹیج پر دیکھنے کے شوقین تھے اور ہر ڈراما کمپنی ان کی اس خواہش کی تکمیل کا خیال رکھ رہی تھی۔

اس ڈرامے کی مقبولیت کو دیکھتے ہوے آغاحشر نے اس کا دوسرا حصہ 'مشرقی حور عرف شیر کی گرج' کے نام سے لکھا تھا، جو مکمل شکل میں دستیاب نہیں ہے۔ ان کے ذخیرے میں اس کا ایک ناقص مسودہ موجود ہے جو الگ الگ کاغذ کے پرزوں پر لکھے ہوے مکالمات کی شکل میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرچے مختلف کرداروں کو ان کے مکالمات یاد کرانے کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ چونکہ ان منتشر اجزا کو منشائے مصنف کے مطابق ترتیب دینے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، اس لیے یہ ڈراما اس کلیات میں شامل نہیں ہے۔

'یہودی کی لڑکی' کی ترتیب میں اس کا ایک مطبوعہ نسخہ اور چار مسودے پیش نظر رہے ہیں۔ مطبوعہ نسخہ نرائن دت سہگل، لاہور کا شائع کردہ ہے۔ اس پر سال طباعت درج نہیں۔ اس میں کچھ کرداروں کے نام بھی بدلے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر 'آکٹویا' کا نام 'ڈیسہ' اور 'حنا' کا نام 'راحیل' ہے، جس کی تائید کسی قلمی نسخے سے نہیں ہوتی۔ ممکن ہے یہ ڈراما شروع میں ان ناموں کے ساتھ بھی کھیلا گیا ہو اور بعد میں کسی مصلحت کی بنا پر بعض نام تبدیل کردیے گئے ہوں۔ مطبوعہ نسخہ کل 100 صفحات پر مشتمل ہے۔

مسودات میں سے پہلا مسودہ مجلد رجسٹر کی شکل میں ہے اس میں کل 95 صفحات ہیں۔ اس کے سرورق پر کاتب کا نام محمد رفیق اور سنہ 1915 لکھا ہوا ہے۔ یہ مسودہ مکمل اور صاف ستھرا ہے اور اسے ہی مشمولہ ڈرامے کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ دوسرا مسودہ بھی رجسٹر سائز میں مجلد ہے۔ اسے منظور احمد عظیم آبادی نے بھاگل پور میں 9فروری 1926 کو مکمل کیا ہے۔ اس پر سنسر کے دستخط ہیں اور تاریخ 29 مئی 1928 لکھی ہوئی ہے۔ ترتیب کے دوران اس مسودے سے بھی جا بہ جا مدد لی گئی ہے۔ اس رجسٹر کی ابتدا میں ڈرامے میں کردار ادا کرنے والے ایکٹروں کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔ تیسرا مسودہ بہت خراب حالت میں ہے۔ یہ بھی رجسٹر سائز میں ہے اور اپنی شکل و صورت کے اعتبار سے سب سے قدیم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں نہ تو سنہ تحریر درج ہے اور نہ کاتب کا نام۔ البتہ کہیں کہیں پنسل سے اصلاح کی گئی ہے جو غالباً خود آغاحشر کے ہاتھ کی ہے۔ یہ نامکمل بھی ہے۔ اس میں پہلے ایکٹ کا پہلا سین نہیں ہے۔ یہ کل 63 صفحات پر مشتمل ہے۔ چوتھا مسودہ مجلد کاپی کی سائز میں ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد 126 صفحات ہے۔ املا غلط اور خط مبتدیانہ ہے۔ علاوہ بریں اس پر نہ تو تاریخ تحریر درج ہے اور نہ کاتب کا نام۔

کردار

مرد

1۔	مارکس	رومن شہزادہ
2۔	بروٹس	مذہبی رہنما
3۔	عزرا	ایک بوڑھا یہودی
4۔	بادشاہ	رومن بادشاہ
5۔	کرامت	نصیبن کا شوہر
6۔	سرخاب	نرگس کا باپ
7۔	شمشاد	نرگس کا عاشق
8۔	رحیم، کریم	سرخاب کے ملازم
9۔	منوا	کرامت کا نوکر

خواتین

1۔	حنا	مارکس کی معشوقہ
2۔	آکٹیویا	رومن شہزادی اور مارکس کی منگیتر
3۔	جونا	آکٹیویا کی ملازمہ
4۔	نرگس	شمشاد کی معشوقہ
5۔	نصیبن	کرامت کی بیوی

پہلا ایکٹ - پہلا سین

محل

(سہیلیوں کا حمد گانا)

والی تو جگ کا ہے۔
جل میں تھل میں تیرے نور کی تجلی دیکھی
میرے والی۔ ڈالی ڈالی۔
کویلیا گُن بھری۔ تو جگ...
برگ و بار، کوہسار، ہرا بھرا پھولن کے بن میں ہے۔
صدف کے تن میں ہے، حشؔر کے من میں ہے۔ تو جگ...

(سہیلیوں کا جانا اور آکٹیویا کا آنا)

آکٹیویا: (گانا) مانو برہا ستاوے۔ جی چراوے پریا۔
ہاں مانو.... ہاں مانو.....
ترچھی نجریا کی ماری رے کٹاری پیا۔
لاگی تو ہے پریم کی کٹاری۔
کاری کاری پیا۔
گھایل کیو تن من سب جان۔
بار بار بے شمار، حال راز۔

روئے انکھیاں۔ مانو برہا...

مرمٹے تیرے لیے اور تجھے دھیان نہیں
غیر کا درد نہ ہو جس کو وہ انسان نہیں
او ستم گار، جفاکار نہ ٹھکرا دل کو
توڑنا سہل ہے پر جوڑنا آسان نہیں

مارگس : آکٹیویا۔ تم اور یہاں؟

آکٹیویا : ؎

جو نظر اب ہے وہ پہلے تری بے دید نہ تھی
اس طرح آنکھ بدل لے گا یہ اُمید نہ تھی

آخر اس بے رخی کا سبب؟

مارگس : کوئی نہیں۔

آکٹیویا : اس ناراضگی کا باعث؟

مارگس : کچھ نہیں۔

آکٹیویا : تو پھر کیا ہوگیا؟

مارگس : سودا ہوگیا۔

آکٹیویا : ہوش و حواس کدھر گئے؟

مارگس : مرحوم آرزوؤں کے ساتھ وہ بھی مرگئے۔

آکٹیویا : تو کیا اب مجھے تم سے کوئی آس نہیں؟

مارگس : آس دلانے والی چیز ہی میرے پاس نہیں۔

آکٹیویا : میرے پیارے وہ کیا؟

مارگس : دل۔ ؎

میں دل کو روؤں گا اور روئے گا دل عمر بھر مجھ کو
نہ میری ہے خبر دل کو نہ دل کی ہے خبر مجھ کو

پہلا ایکٹ - دوسرا سین

یہودیوں کا محلہ

(حنا کا گاتے ہوئے آنا)

تیر قضا کا نشانہ کوئی ہو مرغ بسمل نہ ہو۔
ظالم یہ تیغ نظر کے ہیں چرکے۔
ترچھی نگاہیں نہ ہوں۔ کسی کی ترچھی.... تیر قضا...
دیکھا نہ مڑ کر شہیدوں کو اپنے۔
آنکھوں سا قاتل نہ ہو۔ تیری ان آنکھوں۔ تیر قضا...
نینوں کے سیناں ہیں چھیت چیناں۔
آوے نہیں نیند۔ پڑے نہیں چیناں۔ تیر قضا...

(مارکس کا یہودیوں کے لباس میں آنا)

مارکس : پیاری حنا۔ میری یہ خواہش ہے کہ تم چہرے پر نقاب ڈالے بغیر گھر سے باہر نہ نکلا کرو۔

حنا : اس کی وجہ؟

مارکس : وجہ یہ ہے کہ جس طرح بارش سے دھلے ہوئے شفاف آسمان پر شفق کی سرخی شہاب پاشی کرتی ہوئی حد نظر تک پھیل جاتی ہے تو تمام دنیا بے پایاں مستی میں ڈوبی ہوئی پُر شوق نگاہوں سے اس کی دلفریبیوں پر قربان ہونے لگتی ہے۔ اسی

طرح جب تمھارے گلابی گالوں کے عکس سے کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگانے اور ہنسنے لگتا ہے تو قدرت کی مخلوق ہی نہیں خود قدرت بھی تمھیں پیار سے دیکھنے لگتی ہے۔

ہے نظر کاتب کی اپنے ہاتھ کی تحریر پر
خود مُصور بھی مٹا جاتا ہے اس تصویر پر

حنا : تو میرے پیارے۔ تم رشک کرتے ہو؟

مارکس : رشک؟ میں اُس لباس پر رشک کرتا ہوں جو تمھارے خوبصورت جسم کو اپنی آغوش میں لیے رہتا ہے۔ میں اس گلے کے ہار پر رشک کرتا ہوں جو اس دلفریب سینے کے ابھار کو ہر وقت بوسے دیا کرتا ہے۔ میں اس ہوا کے جھونکے پر رشک کرتا ہوں، جو ان لہراتی ہوئی ناگنوں کے پاس سے نڈر ہوکے نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ میں تمھارے سائے سے رشک کرتا ہوں جو ان قدموں سے لپٹا ہوا ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

بندھی ہے ٹکٹکی سب آزماتے ہیں نصیب اپنا
جسے میں دیکھتا ہوں اس کو پاتا ہوں رقیب اپنا
جو حسرت ہے تو یہ حسرت نہ ہوتی تو مقابل میں
تمھیں آنکھوں میں رکھ لوں اور ان آنکھوں کو اس دل میں

(دونوں کا مل کر گانا)

سمند ناز پر کھولے ہوئے وہ بال پھرتے ہیں
بچے کب طائرِ دل جب ہوا میں جال پھرتے ہیں

پھول سے گالوں پہ۔ ناگن سے بالوں پہ۔
ہوں میں فدا۔ اے دل ربا۔
متواری چالوں کی۔ گھونگھر سے بالوں کی۔
زنجیر کی ہوں میں اسیر۔

اسیر پنجہ عہد شباب کرکے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کرکے مجھے
کسی کے درد محبت نے عمر بھر کے لیے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کرکے مجھے

ابرو کٹاری۔ سینے پہ ماری۔
تیغ دو دھاری جان۔ پھول سے.....

(دونوں کا گاتے ہوے جانا۔ رومن سرداروں کا داخل ہونا)

سپاہی ۱: تو کیا آپ اس مشرقی ستارہ کو/روم کی کلیوپیٹرا کا خطاب دیتے ہیں؟
کیشیش : ہاں۔ اور اس خطاب پر بھی مجھے یہ محسوس ہوتا ہے۔ اُس کے حسنِ خدا داد کی داد دینے میں بخل سے کام لے رہا ہوں۔
سپاہی ۲: جب تو اُس کے حُسن کی غلامی کرنے کے لیے رومن سورماؤں میں سے بہت سے سیزر و اینٹونیو پیدا ہوجائیں گے۔
سردار : دیکھو دیکھو وہ کافرادا یہودن اسی طرف آرہی ہے۔
کیشیش : قسم ہے رومن خون کی۔ میں اس روم کی سب سے زیادہ حسین دوشیزہ کا ایک بوسہ لیے بغیر کبھی یہاں سے نہ جاؤں گا۔
سپاہی ۴: بوسہ؟
کیشیش : ہاں۔
سپاہی ۱: اس کی مرضی کے خلاف؟
کیشیش : ہاں۔ ہاں۔
سپاہی ۳: جبراً؟
کیشیش : بے شک۔ ہم کون ہیں؟
سپاہی ۲: معزز رومن۔
کیشیش : اور یہودی کون ہیں؟
سپاہی ۴: رومنوں کے ادنیٰ غلام۔

کیشیش : تو بس پس و پیش بیکار ہے۔ غلام اور غلام کے مال پر آقا کو ہر طرح کا اختیار ہے۔

(حنا کا آنا)

حنا : (پھول سے مخاطب ہو کر)۔

فدا ہوں جس طرح اُس گل پہ تجھ پر بھی فدا ہوتی
جو تجھ میں اُس کی رنگت، اس کی بو، اس کی ادا ہوتی

کیشیش :۔

فقط یہ پھول ہی کیا مستحق ہے مہربانی کا
اِدھر بھی اک اُچٹتی سی نظر، صدقہ جوانی کا

حنا : جناب آپ کون ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟

کیشیش : میں یہ پوچھتا ہوں کہ یہ پھول زیادہ نظر فریب ہے یا یہ؟ یہ زیادہ خوبصورت ہے یا یہ؟ اس کی پنکھڑیوں کو دیکھ کر طبیعت للچاتی ہے یا اِن پنکھڑیوں کو؟ اِس کو چھاتی سے لگانے کو دل چاہتا ہے یا اس کو؟ ۔

زمیں سے تا بہ فلک، لالہ زار کس سے ہے
بہار کس سے ہے کیف بہار کس سے ہے

حنا : صاحب آپ ہوش میں ہیں؟

کیشیش :۔

رحم کرتی ہیں کہیں، یہ نرگسِ مے نوش بھی
اک نظر میں دل بھی چھینا ساتھ دل کے ہوش بھی
راہ چلتوں پر یہ ناوک افگنی اچھی نہیں
کہہ دہ اِن آنکھوں سے ایسی رہزنی اچھی نہیں

حنا : بس بس۔ ایک غیرت دار شریف زادی اس سے زیادہ اپنی توہین برداشت نہیں کرسکتی۔

کیشیش :

مست مے نشاط بھی ہیں باغ باغ بھی
آنکھیں بھی شاد کام ہوئیں اور دماغ بھی
منت پذیر حسن خدا داد کیجیے
یہ ہونٹ رہ گئے ہیں انھیں شاد کیجیے

(حنا کو پکڑ لینا)

حنا : چھوڑ دے۔ چھوڑ دے بے رحم موذی مجھے چھوڑ دے۔

کیشیش :

صرف کر دے زور، جتنا بھی پر و بازو میں ہے
چھٹ چکا وہ صید جو صیاد کے قابو میں ہے

حنا : دوڑو۔ بچاؤ۔ یہ کمینہ میری عزت پر حملہ کرتا ہے۔

(مارکس کا یہودی کے لباس میں آنا)

مارکس : خبردار۔ او بدمعاش پاجی۔ اگر ایک انچ بھی آگے بڑھا تو یہ بالشت بھر کی چھری قبضے تک سینے میں اتار دوں گا۔

کیشیش : تو کون؟

مارکس : تجھ پر لعنت بھیجنے والی زبان، تجھے سزا دینے والا ہاتھ۔

پاجی ہو تم کہ پاسِ شرافت نہیں تمھیں
تلوار باندھنے کی بھی غیرت نہیں تمھیں
ہو دم تو آؤ ساتھ مرے ہم نبرد ہو
عورت سے جنگ، کون کہے گا کہ مرد ہو

کیشیش : حقیر ہستی۔ کیا تو رومن قوم کے معزز نوجوان کا مقابلہ کرنے آیا ہے؟

مارکس : معزز؟ ایسی کمینی حرکتیں اور معزز؟ جب تمھارا دِل، تمھارا خیال، تمھاری ہر چیز ذلیل ہے تو پھر تمھارے معزز ہونے کی کیا دلیل ہے؟

کہیں اعزاز ہوتے ہیں جہاں میں ان قرینوں کے
جو عادت ہے رذیلوں کی جو لچھن ہیں کمینوں کے
معزز وہ ہے جس کے قول اچھے ہوں، عمل اچھے
درخت اچھا وہی کہلائے گا جس کے ہوں پھل اچھے

کیشیش : بس خاموش۔ شاید تیرے دل میں اپنی زندگی کا پیار نہیں ہے۔ کیا تو رومن قوم کے غرور، غصہ اور ہیبت ناک انتقام سے خبردار نہیں ہے؟

مارکس : ذلیل غلام۔ تو اپنے باجیانہ خیالات کے اظہار میں تمام رومن قوم کو کیوں شامل کرتا ہے؟

یہ طرز زیست ہے ان کی نہ یہ قرینہ ہے
وہ سب کمینے نہیں صرف تو کمینہ ہے

کیشیش : بس یہ اپنی بدزبانی سے اپنے موت کے فتوے پر مہر کرچکا۔ سپاہیوں باندھ لو اس باغی کو۔

مارکس : بدبخت، نامراد۔ بھالے نیچے جھکا دو۔

کیشیش : کس کے حکم سے؟

مارکس : میرے حکم سے۔

کیشیش : تو کون؟

مارکس : دیکھ۔

(مارکس کا سینہ کھول کر نشان شاہی دکھانا)

کیشیش : کون شہزادہ مارکس؟ آپ؟

مارکس : چُپ۔

(سپاہیوں کا بھالے جھکا دینا اور حنا کا مارکس سے لپٹ جانا)

پہلا ایکٹ - تیسرا سین

راستہ

(بروٹس کا اپنے سرداروں کے ساتھ آنا)

بروٹس : جاو اس ذلیل کتے سے کہو کہ فوراً حاضر ہو۔ اگر حکم سننے کے بعد آنے میں عذر کرے تو داڑھی سے پکڑ کر منہ پر تھوکتے اور پیٹھ پر لاتیں مارتے یہاں لے آؤ۔

سردار : مقدس باپ۔ تلوار کی حکومت ہی بہترین حکومت ہے۔ نرمی برتنے سے حاکم وقت کا رعب و داب جاتا رہتا ہے۔ اور محکوم قوم کی ہمت بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے ان سرکش یہودیوں کا صرف یہی علاج ہے کہ ایک پوری اور آخری ضرب لگا کر ان کا زور ہمیشہ کے لیے توڑ دیا جائے۔ ڈسنے سے پہلے ان آستین کے سانپوں کا زہر نچوڑ دیا جاے۔

بروٹس : بھول گئے۔ بھول گئے۔ یہ محسن کش، احسان فراموش، وہ دن بھول گئے۔ جب فرعون کی زمین پر مصریوں کے ہاتھوں سے کوڑے کھاتے تھے، جب بابل کی گلیوں میں بخت نصر کی قوم کے ہاتھوں غلام بناکر دو دو پیسے کو بیچے جاتے تھے۔

انھیں پناہ دی، ان کے دکھوں کو دور کیا
سلوک ان سے کیے، یہ بڑا قصور کیا

(ایک سپاہی کا ایک یہودی شخص عزرا کو لیے ہوے آنا)

سپاہی ۲ : آگے بڑھ اور جھک ان قدموں کے آگے۔

عزرا : جھکوں؟ کس کے آگے، ان قدموں کے آگے؟ جن قدموں نے اِس سر سے بھی زیادہ سفید اور بوڑھے سروں کو ٹھوکریں ماری ہیں۔ جنھوں نے اپنی جوتی کی نوک کی ضربوں سے ہماری مظلوم قوم کے کلیجے میں چھریاں اتاری ہیں؟ ؎

قیامتیں ہوں کہ آفتیں ہوں، جہان جائے کہ جان جائے
مگر یہ ممکن نہیں ہے ہرگز کہ اُس کے بندے کی آن جائے
اُسی کی چوکھٹ پہ ہوں گے سجدے، جدھر وہ ہوگا ادھر جھکے گا
بجز خدا کے کسی کے آگے نہ دل جھکا ہے نہ سر جھکے گا

بروٹس : بے ادب گستاخ سُن کہ تجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟ تو یہودی قوم کا سرغنہ ہے۔ اس لیے میں اپنا حکم تیری زبان سے تیری قوم تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ ان سے کہہ دے کہ روم کا مذہبی پیشوا یہودیوں کو عطا کی ہوئی مذہبی آزادی آج بطور جرمانہ ضبط کرتا ہے۔

عزرا : کیوں؟

بروٹس : کیونکہ وہ میرے حکم کے مطابق اپنی مذہبی رسمیں پوشیدگی اور خاموشی کے ساتھ ادا نہیں کرتے اور اس دلیری کو پڑوس میں رہنے والے رومن اپنے دیوتاؤں کی ہتک سمجھتے ہیں۔

عزرا : تو کیا ہم اس زبان کو کاٹ کر پھینک دیں جو راحت میں اظہار شکر اور مصیبت میں طلب رحم کے لیے اپنے خالق و مالک کا نام لیتی ہے؟ یہودی قوم اس خلاف مذہب حکم کو کبھی نہ مانے گی۔

بروٹس : تب میں تمام یہودی قوم کو باغی اور تجھے باغیوں کا سردار قرار دے کر خوفناک سزا دوں گا۔ احمق کیا تو میرے حکم سے سرکشی کرکے اپنے اور اپنی قوم کے لیے کوئی بہتری کی امید رکھتا ہے؟

عزرا : اب ہمارے لیے صرف آسمان میں امید باقی رہ گئی ہے۔ جہاں نہ تمھاری حیوانی تہذیب ہے، نہ تمھارا ظالمانہ قانون ہے، نہ تمھاری شیطانی سلطنت ہے۔

وہیں پر اب تسلی خانماں برباد پائیں گے
وہیں اس بے کسی و بے بسی کی داد پائیں گے
لہو ان آستینوں کا گواہی دے رہا ہوگا
اِدھر مظلوم، اُدھر ظالم، مقابل، میں خدا ہوگا

بروٹس : مفسد، ملعون۔ ہمارے عقیدوں، رسموں اور مذہبی تہواروں کے ساتھ علانیہ نفرت کا اظہار کرنا اور پھر دنیا کے سامنے اپنی بے گناہی آشکار کرنا۔ کتو۔ ہم جانتے تو تمھیں آزادی اور زندگی کبھی نہ دیتے۔

عزرا : اس ملک روم میں آزادی اور زندگی یہ دونوں چیزیں کسی قیمت پر ملی ہیں اور نہ مل سکتی ہیں۔ جس طرح کوئی گناہ یا شرم کا کام کرتا ہو۔ اُسی طرح اپنے خالق و مالک کی عبادت اور اپنے مذہبی اور رسم و رواج کو چھپانا، تمھاری قوم کے ذلیل سے ذلیل آدمی کے سامنے بید کی طرح تھرّانا۔ اپنی قوم کی دولت، عزت، عصمت کو لٹتے ہوئے دیکھنا اور کلیجہ مسوس کر رہ جانا۔ اس کا نام آزادی اور زندگی ہے۔ نہیں یہ حالت زندگی کے لیے دائمی لعنت اور ابدی شرمندگی ہے۔

شجرِ زیست کے چن چن کے ثمر توڑے ہیں
تم نے دل توڑے ہیں ہم سب کے جگر توڑے ہیں
تم ہو وہ پیکر بیداد و تعصب جس نے
سینکڑوں لاکھوں ہی اللہ کے گھر توڑے ہیں

بروٹس : اگر تیرے خدا کو تجھے اس دنیا میں آزاد اور معزز رکھنا منظور ہوتا تو یہودیوں کی ذلیل قوم میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔

عزرا : یہودی قوم اور ذلیل؟ کیوں؟ وجہ؟ کیا یہودی اس لیے ذلیل ہیں کہ تمھارے جیسے لامذہب، بے اُصول، متعصب خود غرض، بے رحم، جفا شعار اور بدکار نہیں ہیں۔ کیا اس لیے ذلیل ہیں کہ وہ دنیا کی دوسری قوموں کو لوٹنے، روندنے اور ذلیل حالت کو پہنچانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیا اس لیے ذلیل ہیں

کہ وہ ایک خدا، ایک شریعت اور ایک قانون کو مانتے ہیں۔ کیا اس لیے ذلیل ہیں کہ جس طرح وہ اپنی تکلیف کو تکلیف سمجھتے ہیں اسی طرح دوسرے کے دکھ کو بھی دکھ جانتے ہیں۔ ؎

اگرچہ خاک بسر اور شکستہ پر ہیں ہم
خراب، خستہ و برباد، در بدر ہیں ہم
مگر خلیق، وفا دوست، خوش سیر ہیں ہم
فراخ مشرب و ذی علم، ذی ہُنر ہیں ہم
جو تم شریف تو تم سے شریف تر ہیں ہم

بروٹس : تودۂ ملامت۔ تو رومن قوم کے سلوک کے لیے اسے ملزم ٹھہراتا ہے مگر اپنے گریباں میں منھ ڈال کر اپنے دل سے پوچھ کہ تیری ملعون اور سرکش قوم نے اپنے خدا، اپنی کتاب اور اپنے نبیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

عزرا : کیا کیا؟

بروٹس : تم نے، ہاں تم نے ابراہیم اور موسیٰ کے خدا کو ٹھٹھوں میں اڑایا۔ اپنی کتاب توریت کے احکام کو جھٹلایا۔ اپنے ہم قوم مریم کے بیٹے مسیح کو سولی پر چڑھایا۔ ؎

کیوں کبھی اس کا کبھی اُس کا گلا کرتا ہے
جو بھی کرتا ہے ترے ساتھ خدا کرتا ہے
رنگ لائے ستم و جور، بد افعال ترے
ویسا ہی حال ہوا جیسے تھے اعمال ترے

عزرا : اگر یہودی قوم کے ذلت و بربادی کا حال معلوم ہوگیا ہے تو ہماری پہلی حالت سے موجودہ حالت کا مقابلہ کرکے مستقبل کے فیصلے سے لرزو اور اپنے طریق حکومت اور طرز عمل کی اصلاح کرو۔ ؎

مہمل نہیں اگرچہ کلام ادق ہوں میں
میری سنو زمانے کی آواز حق ہوں میں

جس میں لکھے ہیں راز نہاں وہ ورق ہوں میں
مجھ کو پڑھو کتاب فنا کا سبق ہوں میں
عبرت کدہ بنا ہوں عروج و زوال کا
آئینہ ہوں زمانۂ ماضی و حال کا

بروٹس : اگر رومن قوم سے نفرت کا خیال دل سے نہ جائے گا تو جس طرح تیرا ماضی حال پر رو رہا ہے اسی طرح تیرا حال تیرے اور تیری قوم کے مستقبل پر آنسو بہائے گا۔

ہماری تیغ غضب اور ترا گلو ہوگا
نہ تیری قوم ہی ہوگی کہیں، نہ تو ہوگا

عزرا : جاؤ جاؤ۔ جب تک خدا اپنی زمین پر ہم کو زندہ رکھنا چاہتا ہے اُس وقت تک تمام دنیا کی طاقتیں بھی مل کر ہماری قومیت کو نیست و نابود نہیں کرسکتیں۔

ممکن نہیں لگائے کوئی نابکار ہاتھ
دشمن کے گر ہیں دو تو ہیں اس کے ہزار ہاتھ

بروٹس : یہ جواب؟

عزرا : ہاں۔

بروٹس : ان دیکھے خدا پر اتنا بھروسا؟

عزرا : ارے ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔

بروٹس : تیرا مغرور حلم میرے تحمل کا منہ چڑھا رہا ہے۔ اچھا جاؤ (سپاہیوں سے) جلتی ہوئی مشعلیں اور بربادی کو ساتھ لے کر یہودیوں کے محلے میں جاؤ۔ اِن کی سرکشیوں کا آج ہی انھیں مزہ چکھا دو۔ اِن کے باغ، محل، دوکان، سامان سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دو۔

آتش فشانیوں سے زمیں شعلہ زار ہو
ہر در پہ ایک لاش ہو ہر گھر مزار ہو

عزرا : ارے نہیں نہیں۔ تمھارا مجرم، تمھارے گھوڑے کی ٹاپوں سے پامال ہونے والا مٹی کا ڈھیر، تمھارے گرسنہ غصے کا لذیذ لقمہ صرف میں ہوں۔ مجھے سولی پر چڑھا دو۔ زندہ آگ میں جلادو۔ اس جھرّی دار بوڑھے جسم سے بوٹیاں تراش تراش کر اپنے شکاری کتوں کو کھلا دو۔ مگر میری بے کس، مظلوم قوم پر برداشت سے زیادہ ظلم نہ کرو۔

سبھی مجرم نہیں، ہیں چند بد، تو لاکھ اچھے بھی
کرو رحم، اُن میں بیوائیں بھی ہیں، بوڑھے بھی، بچے بھی

بروٹس : ہاں اور آج ان سب کو آگ اور موت کے حوالے کیا جائے گا۔

سامنے شعلوں کے رونا بے گناہی قوم کی
(جاؤ!) تو بھی ساتھ جا، دیکھ اب تباہی قوم کی

عزرا : سمجھ گیا۔ میری ہی بھول تھی جو رحم کی بھیک مانگنے کے لیے دوزخ کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ مغرور رومنو۔ تاریخ ایک مرتبہ ضرور اپنے کو دہراتی ہے۔ اس لیے سنو، اور یاد رکھو۔ جس طرح مصر، بابل، نینوا، کارتھج اور اسیریا کی ظالم اور سرکش قومیں دنیا کے جسم پر پھوڑے کی طرح پیدا ہوکر خدائی نشتر سے نیست و نابود ہوگئیں اسی طرح تمھاری رومن قوم اور رومی سلطنت کا بھی زوال ہوگا۔ آنے والے وقت کی ٹھوکروں سے تمھارا غرور بھی ضرور پامال ہوگا۔

کہاں تک مضحکہ کرتے رہوگے، بے ادب اس کا
کبھی تم کو نہ چھوڑے گا ستم گارو غضب اس کا

پہلا ایکٹ - چوتھا سین

یہودی محلہ

آوازیں : آگ لگی۔ آگ لگی۔ بھاگو۔ بھاگو۔

(رومن سپاہی ہاتھوں میں مشعلیں لیے ہوے محلے کے مکانوں میں آگ لگا رہے ہیں۔ بچے، بوڑھے، جوان، سب وا ویلا مچاتے ہیں۔ رومن سپاہیوں کے یہودیوں پر مظالم، عزرا کا داخلہ۔ حنا کو چیختا چلاتا دیکھ کر عزرا پل پر چڑھتا اور اسے ساتھ لے کر نیچے آتا ہے۔ شعلے زیادہ بھڑک اٹھتے ہیں)

پہلا ایکٹ - پانچواں سین

مکان

(نصیبن کا گاتے ہوے آنا)

دیکھو موئے کھوست کا جھوٹا یہ پیار۔
کھانے کو مانگو تو جوتی پیزار۔
نہ پیسہ پاس ہے۔ بڑا دل اُداس ہے۔
کھوسٹ سے ہوں بیزار۔ ہاں رے موئے...
میرے نازک بدن پر۔ عارض پھبن پر۔
ایسے موئے کو کروں میں نثار۔
لوں پیزار۔ ماروں چار۔ روئے زار زار۔
موئے کھوسٹ پہ اللہ کی مار۔ دیکھو موئے.....

نصیبن : صورت گوری۔ نصیب کالا۔ نگوڑی قسمت نے ایسے بدبخت کے پالے ڈالا۔ کہ کمانے کو کہیے تو کرتا ہے حیلہ حوالہ۔ بگڑو تو جوتا وہ بھی سادہ نہیں نعل والا۔ موئے کی آنکھوں میں پڑجائے جالا۔ ڈس جائے ناگ کالا۔ مرتا بھی نہیں ہے رذالا۔ جس سے چھوٹ جایئے میرا پالا۔

(کرامت کا آنا)

کرامت : بس بس۔ کتنی دعائیں دوگی میری خالہ۔

نصیبن : ارے موئے۔

کرامت : ارے موئی۔

نصیبن : ارے میں پوچھتی ہوں کہ تو کہیں جا کر نوکری کیوں نہیں کرتا؟

کرامت : ہیں نوکری۔ کیا کوئی میرے باوا کا نوکر ہے جو مجھے نوکری دے گا؟ بیوی وہ دن گئے جب ایک کماتا تھا اور دس کھاتے تھے۔ اب تو ایک کا پیٹ بھرنا بھی محال ہے۔ بڑی نوکری تو گئی جہنم میں۔ اگر جوتا صاف کرنے کی نوکری مانگنے جاؤ تو کہتے ہیں پہلے بی اے کلاس کا سرٹیفکٹ دکھلاؤ۔ میں تو آج کل کیمیا بنانا سیکھ رہا ہوں۔

نصیبن : ارے بے وقوف یہ کیمیا کس جانور کا نام ہے؟

کرامت : جانور کا نام نہیں ہے۔ یہ ہے ایک قسم کا علم۔ پیاری تھوڑے دنوں میں تمھارے ناک، کان، ہاتھ، پاؤں سب سونے سے پیلے ہوجائیں گے۔

نصیبن : یہ مانا جب باوا مرے گا تو بیل بٹے گا۔ مگر یہاں تو گھر میں پاؤ بھر آٹا بھی نہیں ہے۔ آج کا دن کیسے کٹے گا؟

کرامت : پھر وہی بیہودہ جھگڑا نکالا۔

نصیبن : موئے جھگڑا کیسا۔ کھانے کو لاتا ہے یا جوتیاں کھاتا ہے؟

کرامت : دیکھو بیوی میں پٹھان آدمی ہوں۔ بہت جلد غصے میں آجاؤں گا۔ اور اس وقت بھوکا بھی ہوں۔ بگڑ گیا تو ناک ہی چبا جاؤں گا۔

نصیبن: چل چل بڑا آیا ہے ناک کاٹنے والا۔ تو کوئی رستم ہے یا اسفندیار کا سالا؟

کرامت: میں سفید دیو کا بہنوئی ہوں۔

نصیبن: تو میں لال دیو کی خالہ ہوں۔

کرامت: کیا کشتی لڑے گی؟ ایسے جوتے لگاؤں گا کہ سر کی دھول جھڑے گی۔ چپ بیٹھ۔

نصیبن: کیوں چپ بیٹھوں۔ تو ایک کہے گا۔ میں تجھے دس سناؤں گی۔

کرامت : او میرے باپ کے غصے۔ کم الانگ۔

نصیبن : ارے دیسی چمار۔ باپ تو تیرا مرگیا۔ اب اپنی اماں کو پکار۔

کرامت : شیطان کی نانی، نہیں چھوڑتی بدزبانی؟

(نصیبن کرامت کو مارتی ہے اور خود ہی چلاّتی ہے)

نصیبن : ارے کوئی آؤ۔ یہ مجھے مارتا ہے، میری جان بچاؤ۔

(کریم اور رحیم کا آنا)

دونوں : کیا ہے۔ کیا ہے؟

کریم : یہ کیا ستم نظر آتا ہے؟ اے کم بخت مرد ہوکر عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔

کرامت : پھر تجھے کیا۔ تو کیا کوئی خدائی فوجدار ہے؟

رحیم : اے بے غیرت مرد ہوکر عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اوپر سے ڑاتا ہے۔

نصیبن : تم کون۔ ہمارا دل ہے مار کھانے کو۔ تم کیوں آئے بچانے کو؟

کریم : ارے یار۔ یہ عورت تو گلے پڑو ہے۔

نصیبن : عورت کا بچہ۔ نکل جا۔ نہیں تو کھا جاؤں گی کچا۔ لو پیارے دس پانچ ہاتھ اور لگاؤ۔

کریم : ہاں اُستاد۔ ونس مور۔ دس یہ کہتی ہے اور دس دس ہم دونوں کی طرف سے لگاؤ۔

کرامت : واہ میں اپنی اکلوتی بیوی کو کیوں ماروں۔ یہ تو مجھے اپنی بہن سے زیادہ پیاری ہے۔

نصیبن : میاں میں تمھاری باتوں کا بُرا کیوں مانوں۔ تم تو مجھے بھائی سے زیادہ پیارے ہو۔

کریم : لو چلو۔ یہ بہن اور یہ بھائی۔ پھر ہم تم کون؟

نصیبن : اُلو، گدھے، سودائی۔

کرامت : نہیں نکلتے ناسزائی۔

(کرامت اندر جاتا ہے)

رحیم : ارے یہاں کہاں لے آیا؟

کریم : ابے لنگڑے تو ہی تو لایا ـــــ بیگم معاف کرنا۔ ہم تو ایک تجربہ کار حکیم کی

تلاش میں آئے تھے ادھر سے تمھارا غُل سنا تو جان بچانے کو چلے آئے۔

نصیبن : ٹھیک ہے۔ اب میں اس موئے کی حجامت کراتی ہوں۔ (جاتے ہوئے رحیم کریم کو آواز دیتے ہوئے) اجی میاں۔ اجی او صاحب۔ ابھی آپ نے حکیم کا ذکر کیا تھا؟

دونوں : جی ہاں۔ جی ہاں۔

نصیبن : بھلا یہ بھی کوئی مشکل بات ہے۔ آپ بے کھٹکے ان کو لے جایئے۔ ان کی کیا بات ہے۔ واقعی ان کا علاج کرامات ہے۔

کریم : بیگم یہ تو کوئی اول نمبر کا گھاسلیٹ معلوم ہوتا ہے۔

نصیبن : اجی توبہ کرو۔ ورنہ بخشے نہ جاؤگے۔ انھوں نے صورت ہی ایسی پائی ہے اور ایک بات اور سن لو۔ یہ جب تک مار نہیں کھائیں گے، حکیم ہونے کا اقرار نہ کریں گے۔

کریم : پھر اس کا کیا علاج؟

نصیبن : اجی سر کے رستے سے جوتوں کا مکسچر پلاؤ۔

رحیم : دیکھنا پھر بُرا نہ ماننا۔ تم ان کی بیوی ہو۔

نصیبن : کون بیوی ہے۔ میں تو ان کو دلگی سے میاں کہتی ہوں۔

(کرامت ڈنڈا لے کر آتا ہے اور کریم و رحیم کو مارتا ہے)

کرامت : ایک۔ دو۔ تین۔

کریم : بس حکیم صاحب بس کیجیے۔ ورنہ آپ کا ہاتھ دکھ جائے گا۔ پھر نسخہ کس طرح لکھیے گا؟

کرامت : پاگل بے وقوف۔

رحیم : نہ پاگل ہے اور نہ بے وقوف۔ وہ تو گونگی ہو گئی ہے۔

کرامت : میں کوئی حکیم وکیم نہیں ہوں۔ پوچھ لو میری بیوی سے۔

نصیبن : بیوی کون؟ بس بس حکیم صاحب میری دلگی نہ کیجیے۔ میں تمھاری بیوی نہیں ہوں۔ میرا میاں تو چار مہینے ہوئے گذر گیا۔ ہیضے سے مر گیا۔

کرامت : اری او ہیضہ کی خالہ۔

کریم : بس بس حکیم صاحب۔ یہ کیا گڑبڑ گھوٹالا۔

کرامت : ارے تم لوگوں کو دلگی سوجھتی ہے۔ یہاں پالی پوسی بیوی ہاتھ سے جاتی ہے۔

رحیم : اجی حکیم صاحب۔ انعام پائیے گا تو اور پٹاخہ سی بیوی بیاہ لائیے گا۔

کرامت : ایسے حکیم پر شیطان کی مار۔

کریم : تو پھر بس لگاؤ یار۔

رحیم : (مارنا) ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔

کرامت : ارے باوا۔ میں حکیم۔ میرا باپ حکیم، میرا دادا حکیم۔ بلکہ سارا خاندان حکیم۔

کریم : ہاں۔ اب کیسے قبولا۔

کرامت : ہاں۔ میں بھولا۔ چلیے اب چلنے کو تیار ہوں۔

رحیم : اچھا تو لیجیے نذرانہ فیس مریضہ کو دیکھنے کے بعد ملے گی۔ ہم ابھی سواری لاتے ہیں۔ اور آپ کو لے جاتے ہیں۔

(دونوں کا جانا)

کرامت : واہ واہ۔ حکیم بننے میں تو بڑا فائدہ ہے۔ مگر مار مار کر حکیم بنانا کہاں کا قاعدہ ہے؟

نصیبن : کیا ہوا مار کھائی۔ رقم تو آئی۔

کرامت : ہاں سچ کہتی ہو میری لگائی۔ مگر ٹھہر تو میری بیوی نہیں ہے۔

نصیبن : کون کہتا ہے۔ پیارے میں تمھاری بیوی تمھارے باپ کی بیوی۔

کرامت : تو پھر اپنے بھائیوں کے سامنے کیوں مکرتی تھی؟

نصیبن : وہ تو میں دلگی کرتی تھی۔

(دونوں کا گانا)

بوڑھے غمزے نہ ہم کو دکھاؤ۔ شرماؤ چلے جاؤ۔
پیاری مٹکو، نہ ہاتھ میرا جھٹکو، گلے سے لگ جاؤ۔

جارے سیلانی۔ باتیں دیوانی۔ نہ کر مستانی۔
یاں سے سنکو۔ بوڑھے غمزے...
میری جان و جگر۔تجھ پہ صدقے قمر۔ کلکتہ والی گوہر۔
میں موٹر میں تجھ کو بٹھاؤں گا۔ پم پم۔
تھیٹر میں ناٹک دکھاؤں گا۔
ونس مور۔ نو مور۔
اور تجھے گارڈن کی ہوا کھلاؤں گا۔
باتوں میں گھاتوں میں۔ مجھ کو پھنساتے ہو۔
جاؤ جی جاؤ کیا گڑیا سمجھتے ہو۔
صبح سے بیٹھا تھا تیری راہ میں۔
در سے سر کو پٹکو۔ بوڑھے غمزے...

(شمشاد کا آنا)

شمشاد : جناب حکیم صاحب۔ آداب۔ تسلیم۔ کورنش۔
کرامت : آیئے حکیم صاحب۔ آیئے حکیم صاحب۔
شمشاد : جناب میں حکیم نہیں ہوں۔
کرامت : نہیں جناب۔ یہ آپ کی خاکساری ہے۔ آپ حکیم ضرور ہیں۔
شمشاد : واللہ۔ جناب میں حکیم نہیں ہوں۔
کرامت : نہیں ہو تو کون ہو؟
شمشاد : میں نے ٹھیک سنا تھا کہ یہ پاگل بھی ہے۔ جناب آپ یقین کیجیے کہ میں حکیم نہیں ہوں۔
کرامت : کیوں نہیں ہو۔ ضرور ہو۔

(کرامت شمشاد کو پیٹتا ہے)

شمشاد : اجی ہوں میں حکیم ہوں۔

کرامت : اب آیا سیدھے راستے پر، نامعقول۔

شمشاد : کیا جناب آپ گھونسے سے حکمت پڑھاتے ہیں؟

کرامت : جی ہاں۔ جب سے پلیگ میں حکیم مرگئے ہیں۔ مار مار کر حکیم بناتے ہیں؟

شمشاد : خوب۔

کرامت : ابے مجھے بھی اسی طرح حکیم بنایا ہے۔ اب بتاؤ تو یہاں کیوں آیا ہے؟

شمشاد : جناب آپ جس لڑکی کا علاج کرنے جاتے ہیں وہ کوئی گونگی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ مجھ پر مرتی ہے۔

کرامت : ابے تجھ پر۔ تجھ پر۔ اس جھڑوس شکل پر؟

نصیبن : میاں آپ سے اچھی ہے۔

کرامت : چپ بدتمیز۔

شمشاد : اُس کا باپ اس کی مرضی کے خلاف دوسری جگہ شادی کرنے کو تیار ہے۔

نصیبن : میں سمجھی یہ گڑبڑ گھوٹالا۔ شادی رک جائے اسی لیے اس نے گونگی کا سوانگ نکالا؟

شمشاد : جی ہاں بیگم۔ یہی بات ہے۔

کرامت : ابے بیگم کے بچے اپنی ماں سے کیا کہتا ہے۔ باپ سے بات کر۔

شمشاد : اتنی مہربانی فرمایئے کہ مجھے اپنا نوکر یا دوست یا اور کچھ بنا کر کسی بہانے سے ساتھ لے جایئے۔

کرامت : ابے میں لے جاؤں۔ تو نے مجھے کوئی ملاؤ خاں دلّال جانا ہے۔

شمشاد : لیجیے آپ کا نذرانہ۔

کرامت : اچھا منظور۔ چل ہو جا کافور۔ لو بیوی اب کھاؤ تنجن اور موتی چور۔

نصیبن : اے میرے حکیم تیرا سارا پلیگ دور۔

(سب کا گانا)

مار کھائی حکمت آئی

چلیے چلیے جناب۔ ابھی آیا شتاب۔ مار...

لائے ہیں ٹٹو میاں۔ ٹھہرو بجر بٹو میاں۔ جاؤ نکھٹو میاں۔ میں ہارا۔
خوب مارا۔ بھوت اتارا۔ آؤ آؤ جلدی آؤ۔
جا اے جان۔ ہٹ نادان۔ واہ۔ واہ۔ واہ۔ واہ۔ آہا ہا ہا۔ مار....
جاؤ حکمت دکھاؤ۔ اور پیسے ٹھگ لاؤ، میں ریشم کی ساڑی بناؤں گی۔
اور گوٹے کی انگیا سلاؤں گی۔
یہ ہے کتنی سی بات۔ سنائی گھات۔ وہ ماری لات۔ مار...

پہلا ایکٹ - چھٹا سین

عزرا کا مکان

(حنا اور مارکس آتے ہیں)

مارکس : میری جان حنا اگر ایک کنگال مفلس آدمی کو، اس ملک روم کے قیصر کا تخت و تاج مل جاتا یا ایک دنیا سے ناراض فلسفی کو اس دنیا میں ہمیشہ زندہ اور خوش رہنے کا راز معلوم ہو جاتا تو اسے بھی اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی خوشی مجھے تمھارے ان دل بڑھانے والے لفظوں سے حاصل ہوئی ہے۔ ؎

اب سمجھتا ہے یہ قطرہ بھی کہ دریا ہو گیا
روح کو ان پیارے لفظوں سے نشہ سا ہو گیا
آرہی ہیں شادیاں شور مبارکباد ہے
دل مرا اب ایک شہر تہنیت آباد ہے

حنا : میں حیران ہوں کہ اس روز ان انسان نما درندوں کے زور کس قوت نے گھٹا دیے۔ تم میں وہ کون سی چھپی ہوئی طاقت ہے جسے دیکھتے ہی ظالم رومنوں نے اپنے خونی برچھے اور مغرور سرزمین کی طرف جھکا دیے۔ ؎

دریا کا جوش رک گیا، طوفان تھم گیا
جو تھا جہاں لرز کے اسی جا پہ جم گیا

مارکس : پیاری حنا۔ جس طرح اکثر لوگ سانپ اور بچھو کا منتر جانتے ہیں، اسی طرح ان رومنوں پر قابو پانے کے لیے میرے پاس بھی ایک طلسم ہے۔ ؎

مجھ پہ ہے قابو ترا اور ان پہ ہے قابو مرا
ایک ساں ہیں پُر اثر گیسو ترے، جادو مرا

حنا : مگر دیکھنا پیارے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو، کچھ ان کا اثر ہو جائے
اس وفا اور محبت کو نظر ہو جائے
سبق آموز وفا نرگسِ جادو نہ رہے
پھول رہ جائے مگر پھول میں خوشبو نہ رہے

مارکس : پیاری حنا۔ اگر کچھ سنانے ہی کو جی چاہتا ہے تو جی بھر کر سنا لو۔ مگر فال بد منہ سے نہ نکالو۔

دُر یکتا تمھاری چاہ، یہ جان صدف ہوگی
یہی راحت، یہی عزت، یہی وجہ شرف ہوگی
محبت کی نگاہیں مرتے دم تک دیکھ لینا تم
کہ پُتلی بھی پھرے گی تو تمھاری ہی طرف ہوگی

(عزرا کا اندر آنا)

عزرا : ظالم، بے دین، یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ حنا۔ حنا۔

حنا : حکم پیارے ابا۔

عزرا : رومنوں کے بادشاہ کی بھتیجی اور ولی عہد سلطنت کی منگیتر شہزادی آکٹیویا اس طرف سے گذر رہی تھی۔ اتفاقاً ایک ستون سے ٹکرا کر اس کے رتھ کا پہیہ چور چور ہو گیا۔ اور اس کا شاہی غرور اپنی غریب رعیت سے پناہ اور مدد مانگنے کے لیے مجبور ہوگیا۔

مارکس : تو کیا وہ آپ کے یہاں قیام کرنا چاہتی ہے؟

عزرا : ہاں۔ دوسری سواری کے آنے یا پہلی کے درست ہوجانے تک۔ وہ پاک قوم کی لڑکی ایک ناپاک یہودی کے گھر میں ٹھہرنا چاہتی ہے۔

جو دور رہتے تھے آنے لگے قریب مرے
زہے نصیب تمھارے، زہے نصیب مرے

حنا : تو ابا جان جایئے۔ مہمان بن کر آنا چاہتی ہے تو ضرور بلا لایئے۔

مارکس : (خود کلامی) آکٹیویا اور عزرا کے گھر میں۔ کیا اپنی منگیتر کی موجودگی میں میرا راز راز رہ سکے گا۔ (مخاطب ہوکر) ہاں۔ کیا میں ہٹ جاؤں؟

عزرا : کیوں؟

مارکس : شاید شہزادی ایک غیر شخص کی موجودگی پسند نہ کرے۔

عزرا : ٹھہرو۔ مجھے اس ناخواندہ مہمان کے آنے کے بعد تمھاری مدد کی ضرورت ہوگی۔

(جانا)

مارکس : (خود کلامی)۔

یہ بھی دیوانی مری اور وہ بھی دیوانی مری
دیکھیے کیا آفتیں لاتی ہے نادانی مری
چغلیاں کھائے گا گھبرائے ہوئے چہرے کا رنگ
کھول دے گی بھید دونوں پر پریشانی مری

(آکٹیویا کا عزرا کے ساتھ اندر آنا)

آکٹیویا : ہاں عزرا۔ گاڑی کے اتفاقیہ ٹوٹ جانے سے مجھے قدرے تکلیف تو ہوئی۔ تاہم اس تکلیف میں بھی اپنے لیے ایک طرح کی خوشی محسوس کرتی ہوں۔ اگر یہ ناشدنی واقعہ پیش نہ آتا تو مجھے اپنے چچا کی ایک وفادار رعیت کے جوہر پہچاننے اور یہودی قوم کی اخلاقی خوبیوں کو جاننے کا کبھی موقع نہ ملتا۔

عزرا : میں اس نوازش کا ممنون ہوں۔ اگر حضور کے ہم قوم، ہمارے آقا، ہماری جان و مال کے مالک معزز رومن بھی اپنی رعایا کے ساتھ یہی برتاؤ رکھیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کی حکومت چاند اور سورج کی عمر پا سکتی ہے۔

آکٹیویا : (مارکس کو دیکھ کر خود کلامی) تعجب، حیرت۔ کس قدر ملتی جلتی صورت۔ ایک قلم کی دو تصویریں۔ یہودی فریم میں رومن تصویر؟

حنا : (خود کلامی) یہ میرے پیارے کو اس قدر حیرت سے کیوں دیکھ رہی ہے؟

مارکس : (خود کلامی) ؎

آج توقیر گئی، بات گئی، شان گئی
کچھ بنائے نہ بنے گی، جو وہ پہچان گئی

آکٹیویا : عزرا۔ یہ نوجوان شخص کون ہے؟

عزرا : حضور۔ یہ میرے ایک ہم مذہب کی آنکھ کا تارا ہے۔ اور مجھے اولاد سے بھی زیادہ پیارا ہے۔

آکٹیویا : کیوں جونا۔ کیا یہ چہرہ دیکھنے والے کے دل میں حیرت پیدا نہیں کرتا؟

جونا : جی ہاں۔ اگر یہ آدمی یہودی کے لباس میں نہ ہوتا تو میں ضرور شہزادہ مارکس سمجھ کر دو زانو ہوکر اس کے دامن کو بوسہ دیتی۔

عزرا : حضور۔ میں تھوڑی دیر کی غیر حاضری کی معافی چاہتا ہوں۔

آکٹیویا : خوشی کے ساتھ۔

مارکس : ضرورت ہو تو میں بھی ساتھ چلوں؟

عزرا : ٹھہرو۔ کیا انگاروں کے فرش پر کھڑے ہو؟

(عزرا اور حنا کا جانا)

مارکس : (خود کلامی) ؎

یہ کہاں سے آگئی حیران کرنے کے لیے
اور دروازے نہ تھے کیا اس کو مرنے کے لیے

آکٹیویا : جونا۔ میں اس نوجوان یہودی سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ اس سے کہہ کہ میرے نزدیک آئے۔

جونا : ذرا قریب آنا بھائی۔

مارکس : (سائڈ میں) لیجیے۔ مصیبت کفن پھاڑ کر چلائی۔

جونا : اجی نزدیک آؤ۔

مارکس : (سائڈ میں) بی۔ بلّی۔ اس گنہگار چوہے پر رحم فرماؤ۔

جونا : اجی آگے بڑھو.... ہیں پھر رک گئے.... یا حواس؟

مارکس : (خود کلامی) شہزادے صاحب چلیے آگے۔ جہاں ستیاناس وہاں سوا ستیاناس۔

آکٹیویا : اس سے پوچھ۔ کہ تمھارا نام کیا ہے؟

جونا : شہزادی صاحبہ دریافت فرماتی ہیں کہ تمھارا نام کیا ہے؟ ــــ کیا گونگے ہو ــــ میں تمھارا نام پوچھتی ہوں ــــ کیا کہا ــــ کچھ نہیں۔ ــــ حضور ان کا نام 'کچھ نہیں' ہے۔

آکٹیویا : پوچھ۔ کس ملک کے رہنے والے ہو؟

جونا : تمھارا وطن کون سا ہے؟ ــــ اجی اڑھائی سیر کا سر ہلتا ہے ذرا سی زبان نہیں ہلتی۔ نہیں سمجھے ــــــ میں پوچھتی ہوں کہاں سے آئے ہو؟ کیا آسمان سے؟ ــــ حضور ان کا کوئی وطن نہیں ہے۔ یہ پچھلے سال کی برسات میں اولوں کے ساتھ زمین پر ٹپک پڑے ہیں۔

آکٹیویا : جونا۔ میں اپنی زندگی میں اس سے زیادہ کبھی حیرت زدہ نہیں ہوئی جتنی آج اس کی اور اپنے پیارے کی ملتی جلتی صورت دیکھ کر ہوئی ہوں۔ ؎

دل پوچھ رہا ہے آنکھوں سے، یہ بہتر یا وہ اعلیٰ ہے
قدرت نے ایک ہی سانچے میں کیا دو سکّوں کو ڈھالا ہے

(عزرا اور حنا کا دوبارہ آنا)

حنا : (خود کلامی) ؎

آنکھوں میں باتیں ہوتی ہیں ہونٹوں پہ اگرچہ تالا ہے
جس چاند کی میں دیوانی ہوں کیا یہ بھی اسی کا ہالا ہے

عزرا : (خود کلامی) ؎

اس کے بھی رنگ عجب سے ہیں اس کا بھی طور نرالا ہے
ہے یہ بھی چپ اور یہ بھی چپ کچھ دال میں کالا کالا ہے

(سپاہی کا آنا)

سپاہی : حضور عالیہ۔ سواری تیار ہے۔ صرف حضور کا انتظار ہے۔

آکٹیویا : اچھا عزرا۔ میں نے تمھیں بہت تکلیف دی۔ اگر پھر کبھی اس طرف سے گذری تو ضرور تم سے ملنے کی خوشی حاصل کروں گی۔

عزرا : حضور کی رعیت نوازی سے مجھے ایسی ہی امید ہے۔

(آکٹیویا، جونا اور سپاہی کا جانا)

مارکس : (خود کلامی)۔

میں تو سمجھتا تھا، کہ پوری آج رسوائی ہوئی
خیر گذری، ٹل گئی، سر سے بلا آئی ہوئی

حنا : (خود کلامی)۔

رنگ فق، منھ زرد، بھرّائی ہوئی آواز ہے
اس پریشانی کے پردے میں یقیناً راز ہے

(مخاطب ہوکر) کیا اس رومن شہزادی کو جانتے ہو؟

مارکس : اتنا ہی جتنا کہ تم جانتی ہو۔

حنا : یہ شہزادی تم سے واقف ہے؟

مارکس : اتنا ہی جتنا وہ تم سے واقف ہے۔

حنا : ہوں۔ اس روز رومن سرداروں کا یک بیک تمھارے آگے جھک جانا، آج شہزادی آکٹیویا کا تمھیں دیکھ کر حیرت میں آنا ظاہر کرتا ہے کہ تم پر اندھا بھروسا عقل کا قصور ہے۔ تمھارا رومنوں سے کوئی نہ کوئی پوشیدہ تعلق ضرور ہے۔

مارکس : پیاری حنا۔ اس بات کا جواب دینے کی نہ مجھ میں جرأت ہے اور نہ میں

اس کی ابھی ضرورت سمجھتا ہوں۔ ے

یہ قصہ طول ہے، سننا کبھی، فی الحال جانے دو
تمھیں معلوم ہو جائے گا سب کچھ، وقت آنے دو

(حنّا کا گانا)

تو پہ میں واری پیا۔ چھین لیا ہے جیا۔ پریم کا مارا موہے بان۔
رنگ رنگیلے، چھیل چھبیلے۔
ہوتم پر دل جانی۔ آرام زندگانی، یہ اٹھتی جوانی۔ تو پہ میں....
نٹ کھٹ دل لینے والے۔ کیسے ہو بھولے بھالے۔
نیناں یہ کالے کالے۔ پی کر مدھ کے پیالے۔
جھومت جیسے متوالے۔ ابرو یہ برچھی بھالے۔
جس سے جینے کے لالے ہیں۔ تو پہ میں....

(دونوں کا جانا)

پہلا ایکٹ - ساتواں سین

مکان

(نرگس کا گاتے ہوئے آنا)

کیا قاتل نے دل پہ نگاہوں کا وار۔
میری ہائے۔ جان جائے۔
پیا پیارے نے پریم کی ماری کٹار۔ کیا قاتل....
گالوں پہ لالی۔ کانوں میں بالی۔
سوہے سر پہ ڈوپٹہ گل انار۔ کیا قاتل.....
مرے جوبن پہ لاکھوں چھائی بہار۔
کون دیکھے پیا بن نکھار۔
چھیلا آؤ۔ من لبھاؤ۔ جاؤں میں نثار۔ کیا قاتل....

نرگس : زہر، آگ، سمندر، دُکھ، بیماری یہ سب آدمی کے دشمن ہیں۔ مگر جس دشمن کا کوئی علاج نہ ہو وہ عشق ہے۔ مُوا عشق اگر تلوار ہو تو اس کے روکنے کے لیے ڈھال بنائے۔ درد ہو تو دوا کھائے۔ پلیگ ہو تو شہر سے بھاگ جائے۔ مگر یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اس کا علاج کیا کیا جائے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ دل مسوسا کرو اور موئے کے نام کو کوسا کرو۔ میں نے اس عشق کی بدولت یہ سو انگ رچایا ہے۔ اپنے پیارے سے ملنے کے لیے اپنے آپ کو گونگا بنایا ہے۔

جان دی کتنوں نے اس موذی کے پالے پڑ کر
یا خدا ناس ہو یہ عشق مُوا سڑ سڑ کر

(نرگس کا جانا اور سرخاب، کریم، رحیم اور کرامت کا باری باری سے آنا)

سُرخاب : ابے کریم۔ تو نے عجیب اُس حکیم کا حال بیان کیا ہے۔

کریم : مگر حضور علاج میں یکتائے زمانہ ہے۔ اس لنگڑے کی نانی کی قسم بقراط کا نانا ہے۔

رحیم : لیجیے حکیم صاحب بھی آگئے۔

(کرامت اور شمشاد کا آنا)

سرخاب : آیئے حکیم صاحب۔

کرامت : خوش رہو۔

سرخاب : آداب۔

کرامت : جیتے رہو۔ مرو تو بخشے جاؤ۔ اگر جنت کے اسپتال میں جگہ نہ ملے تو جہنم کے قرنطینہ میں جگہ پاؤ۔

سرخاب : (سائڈ میں) واقعی کچھ سڑی معلوم ہوتا ہے۔

کرامت : کیوں حکیم صاحب ٹھیک ہے نا؟

سرخاب : جناب میں کوئی حکیم نہیں ہوں۔

کرامت : جناب آپ ضرور حکیم ہیں۔

سرخاب : آپ کی قسم میں حکیم نہیں ہوں۔

کرامت : آپ کے باپ کی قسم آپ حکیم ہیں (مارتا ہے) آپ کو کہنا پڑے گا کہ میں حکیم ہوں۔

سرخاب : ابے کریم تو کس خچر کو بلا لایا۔

کریم : میں نے ان کے جھک پنے کا حال آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔

سرخاب : ایسے جھکّی کی ایسی تیسی۔ نکال دے ایسے پاگل حکیم کو، مجھے ضرورت نہیں ہے۔

کرامت : ہیں۔ حکیم سے یہ گستاخی۔ لا میرے آنے کی فیس، تیرے رئیس کی ایسی تیسی۔

کریم : معاف کیجیے گا۔ آپ کو حکیم ہو کر اتنا غصہ نہیں کرنا چاہیے۔

کرامت : درست ہے۔ کیوں جناب آپ کی طبیعت کچھ سُست ہے؟

کریم : نہیں نہیں۔ بہت اچھی ہے۔

کرامت : آپ اچھے ہیں یہ سن کر مجھے بہت افسوس ہوا۔

کریم : کیوں اس کا مطلب؟

کرامت : اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے چہرے کا رنگ.....

سرخاب : ....کچھ نرالا ہے۔

کرامت : کیونکہ آپ کو کل یا پرسوں....

سرخاب : .....بخار آنے والا ہے۔

کرامت : ابی نہیں پلیگ ہونے والا ہے۔

کریم : ہیں۔ حکیم صاحب اس کا کچھ علاج؟

کرامت : علاج؟ اونہ ہوں۔

سرخاب : کیا کہا حکیم صاحب۔ کچھ بولیے۔

کرامت : ارے میرے گھسیارے باپ۔ تم تو گھاس کاٹتے کاٹتے ہوگئے فوت۔ اب علاج کیا بتاؤں۔ آئی موت۔

سب : موت؟

سرخاب : (روتے ہوے) حکیم صاحب موت؟

کرامت : ہاں روؤ۔ اچھی طرح روؤ۔ اس کی قسمت پر روؤ۔ اور میری حالت پر روؤ۔

سرخاب : کیوں کیوں۔ حکیم صاحب آپ کی حالت پر کیوں روئیں۔

کرامت : اس لیے کہ مجھے زبردستی حکیم بنالائے ہیں۔

سرخاب : عجیب دلگی باز شخص معلوم ہوتا ہے۔ حکیم صاحب کیا آپ میری لڑکی کا علاج نہیں کرنا چاہتے؟

کرامت : جی کیوں نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ کا گھر بھر بیمار ہوجائے تو سب کا علاج کروں۔

(نرگس کا آنا)

سرخاب : لیجیے حکیم صاحب یہی لڑکی ہے۔ جو آج چار دن سے گونگی ہوگئی ہے۔

کرامت : کیوں لڑکی تیرا کیا حال ہے؟

نرگس : ایں ایں ایں۔

کرامت : بھئی یہ تو سرگم گاتی ہے۔ جی آپ کی بولی میری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

نرگس : نی نی نی۔

کرامت : لو نکھاد کے سُر شروع ہوگئے۔ لڑکی تیرا کیا حال ہے؟

سرخاب : اجی حکیم صاحب جواب کس طرح دے۔ اس کی زبان تو بند ہے۔

کرامت : زبان بند ہے تو اتنا بول دے کہ میں گونگی ہوں۔

سرخاب : آپ تو مذاق کرتے ہیں۔ علاج کی طرف توجہ فرمایئے۔

کرامت : اچھا تو آپ دوسرے کمرے میں چل کر غپ شپ اُڑایئے۔ میرا شاگرد اس کا علاج کرتا ہے۔

سرخاب : آیئے آیئے۔ تشریف لایئے۔

(سب کا جانا)

شمشاد : لو بیگم اب تو زبان کھولو۔

نرگس : آں آں آں۔

شمشاد : اجی آں آں چھوڑ کر صاف بولو۔

نرگس : ای ای ای۔

شمشاد : بس حکیموں سے دل کا مرض نہ چھپاؤ۔ آنکھ سے آنکھ ملاؤ۔

نرگس : کون؟ میرا شمشاد پیارا۔

شمشاد : واللہ۔ تم نے غضب کی چال نکالی۔ دل آرا۔

(کریم کا دوسرے کمرے سے جھانکنا)

کریم : ہیں یہ دال میں کالا (چھینکنا)

نرگس : اجی کل سے میری کتیا کو زکام ہوگیا ہے۔

(سرخاب کا آنا)

سرخاب : کیوں بے رذالے۔ یہ طور نکالے۔ تو میری لڑکی کا علاج کر رہا ہے۔

شمشاد : احسان مانیے صاحب۔ میں نے آپ کی گونگی لڑکی کو بولنا سکھا دیا۔

سرخاب : بڑی مہربانی۔ جیتی رہے تیری نانی۔ مگر ہاں مجھے کچھ گڑبڑ گھٹالا نظر آتا ہے۔ یہ حکیم کے لباس میں کوئی اور معلوم ہوتا ہے۔ کیوں جناب آپ ایک مہربانی فرمائیں گے۔ مجھے اپنا نام بتائیں گے۔

شمشاد : جی میرا نام۔ میرا نام ہے نام.....

سرخاب : سمجھا سمجھا۔ یہ کوئی حکیم وکیم نہیں ہے۔ یہ ہے مردود شمشاد۔

شمشاد : جی ہاں۔ بندہ ہی ہے آپ کا ہونے والا داماد۔

سرخاب : چل داماد کا بچہ۔ ورنہ کھا جاؤں گا کچا۔

نرگس : میری سنیے ابا جان۔

شمشاد : پہلے میری سنیے نیک فرجام۔

سرخاب : چپ رہو بدلگام۔ ایک ایک کہو۔ ایک ایک کی سنوں گا اور ایک ایک کو جواب دوں گا۔

شمشاد : اچھا تو پہلے میری سنیے حضور عالی۔

نرگس : جی پہلے میری سنیے جناب عالی۔

سرخاب : پھر وہی نالائقی۔

شمشاد : اصل حال یہ ہے۔

نرگس : باعثِ ملال یہ ہے۔

سرخاب : نہیں مانتے بد زبانو۔

نرگس : اچھا میری بات مانو۔

سرخاب : اچھا تو ہی بک مردار۔

شمشاد : میں کہتا ہوں سرکار۔ میں آپ کی لڑکی کا عاشق ہوں۔

سرخاب : عاشق عاشق۔ ابے تو کس سے پوچھ کر عاشق ہوا؟

شمشاد : جناب ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر مرتے ہیں۔

سرخاب : پیار، عشق، مرنا۔ ارے کم بخت کیا تمام دنیا مر گئی تھی۔ تجھے میری لڑکی ہی مرنے کو تھی۔

نرگس : ابا جان ہم پر رحم فرمایئے۔ ورنہ میں زہر کھالوں گی۔ اپنی جان دے دوں گی۔

سرخاب : واہ بھئی۔ یہ کلجگ کا زمانہ ہے۔ جوان لڑکیاں عشق کرتی ہیں۔ نوجوانوں پر مرتی ہیں۔

شمشاد : ہونے والے سسر صاحب۔ اب بات کو زیادہ طول نہ دیجیے۔ مجھے اپنی دامادی میں قبول کیجیے۔

(کرامت کا آنا)

کرامت : بس اب قصہ تمام کیجیے۔ نکاح کا انتظام کیجیے۔

سرخاب : واہ حکیم صاحب واہ۔ آپ نے خوب میری بیٹی کا علاج فرمایا کہ اس کو عشق کے جال میں پھنسایا۔ اچھا تو اب آپ ہی قاضی بن جایئے اور نکاح پڑھایئے۔

کرامت : لایئے نذرانہ دلوایئے۔

سرخاب : لیجیے اب ہلایئے ہونٹ۔ یہ حاضر ہے سو روپے کا نوٹ۔

کرامت : مگر یہ تو جعلی معلوم ہوتا ہے۔

شمشاد : اجی حکیم صاحب۔ آپ نے کون سی محنت کرکے کمایا ہے۔ مفت ہاتھ آیا ہے۔ اب دیر نہ لگایئے۔ نکاح پڑھایئے۔ اور میری طرف سے یہ بیس روپیہ کا نوٹ قبول فرمایئے۔

کرامت : (ہاتھ ملا کر)۔

پیازم بٹاٹم کریلم کریلا۔ سپاٹم سپیٹم گھوٹیلم گھوٹیلا
رہو مل کے جیسے رہیں بہن بھیا۔ نکاح ختم شد لاؤ پنجم روپیا

(سب کا مل کر گانا)

رنگ رلیاں۔ کرو خوشیاں۔
ہل مل شاداں۔ ہل مل شاداں۔ ہل مل...
ہے گل اور بلبل کا جوڑا نایاب۔ جوڑا نایاب۔ جوڑا...
ہوں اررر۔ ہوں اررر ہوں میں حیران۔
چل پرے ہٹ۔ چل پرے ہٹ۔ دور ہو شیطان۔
جاتے ہیں سب کو آداب۔ رنگ رلیاں.....

پہلا ایکٹ - آٹھواں سین

باغ

(مارکس اور حنا کا باتیں کرتے دکھائی دینا)

حنا : بس بس۔ میں اب تشویش اور خوف کی حالت میں ایک نامعلوم مدت تک رہنا نہیں چاہتی۔

مارکس : دماغ خیال کا اور خیال لفظوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ مجھے جواب دینے کے لیے کچھ مدت دو۔

حنا : بس آج ہی یا کبھی نہیں۔ میرا دل اس کانٹے کی چبھن کو زیادہ برداشت نہیں کرسکتا۔

یہ رنج جائے یہ تکلیف و اضطراب مٹے
کہو کہو کہ کسی طرح یہ عذاب مٹے

مارکس : تو پیاری حنا۔ حقیقت کے چہرے سے نقاب دور ہوتی ہے۔ دیکھو اصلیت کی بھیانک شکل دیکھ کر خوفزدہ نہ ہونا۔ نفرت نہ کرنا۔ میں آج تک یہودی کے لباس میں ایک دھوکے باز عاشق کا پارٹ کر رہا تھا۔ آہ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اچھا سنو سچ یہ ہے کہ۔

ہر اک گمان الگ ہے ہر اک یقین الگ
تمھارا دین الگ ہے ہمارا دین الگ

حنا : تو کیا تم ہمارے ہم مذہب نہیں ہو؟

مارکس : نہیں۔ میں تمھارے مذہب کے دشمنوں کی ڈالی ہوئی بنیاد ہوں۔ یعنی رومن خون اور رومن باپ کی اولاد ہوں۔

حنا : تم یہودی نہیں ہو؟

مارکس : نہیں۔

حنا : تو پھر تمھیں یہودی بننے کو کس نے کہا؟

مارکس : تمھاری محبت نے۔

حنا : تمھیں ایک یہودی لڑکی کے ساتھ محبت کرنے کی جرأت کس نے دلائی؟

مارکس : تمھاری صورت نے۔

حنا : اُف نور میں نار۔ گل میں خار۔ شربت میں کفِ مار۔ زہریلا سانپ اور گلے کا ہار۔

کیوں الجھتا اپنا دامن، گر نہ پھنستی بھول میں
مجھ کو کیا معلوم تھا کانٹا چھپا ہے پھول میں
میری بربادی کا آخر کچھ سبب بتلا مجھے
کیا خطا تھی میری تو نے کیوں دیا دھوکا مجھے

مارکس : حنا۔ زندگی سے زیادہ عزیز حنا۔

عطیہ ہے یہ نیرنگِ طلسم آب و گل تیرا
یہ جسم ان رومنوں کا ہو تو ہو لیکن ہے دل تیرا
یہودی ہوں کہ رومن ہوں۔ میں نوری ہوں کہ ناری ہوں
کوئی ہوں کچھ ہوں لیکن تیری صورت کا پجاری ہوں

حنا : بس بے درد بس۔ ایک دغاباز رومن ایک معصوم یہودی لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

مارکس : تو کیا تم میری مجبوریوں کا خیال کرکے میرا گناہ نہیں معاف کرسکتیں؟

حنا : نہیں۔

مارکس : میری نہیں ہوسکتیں؟

حنا : نہیں۔

مارکس : کیا اپنا ہاتھ ہمیشہ کے لیے میرے ہاتھ میں نہیں دے سکتیں؟

حنا : نہیں۔

مارکس : تو کیا اپنا دل مجھ سے پھیر لوگی؟

حنا : آہ کاش یہ ممکن ہوتا۔ مگر نہیں سب کچھ ہوسکتا ہے۔ یہی نہیں ہو سکتا۔ ؎

بے وفا دنیا کی اب تک جانتا رسمیں نہیں
دل کے میں بس میں ہوں لیکن دل مرے بس میں نہیں

(عزرا کا آنا اور چھپ کر دونوں کی باتیں سننا)

مارکس : تو پھر میرے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے کیوں انکار ہے؟

حنا : اس لیے کہ اس دل پر میرا قبضہ ہے مگر اس ہاتھ پر میرے باپ کا اختیار ہے۔

مارکس : مگر تمھارا باپ جو اپنے قومی رسم و رواج کا سخت پابند ہے وہ خوشی سے اپنی لڑکی کا ہاتھ ایک رومن کے ہاتھ میں دینا کیونکر گوارا کرے گا؟

حنا : تو پھر میں کیا کرسکتی ہوں؟

مارکس : تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہم دونوں یہاں سے بھاگ کر کسی دوسرے ملک میں پوشیدہ طور سے اپنا نکاح پڑھائیں گے اور پھر ایک جان دو قالب بن کر لوٹ آئیں گے۔

حنا : اس خفیہ شادی کو میرا باپ کیونکر منظور کرے گا؟

مارکس : جب عقد ہوگیا تو اُسے مجبوراً قبول کرنا ہوگا۔ ؎

ہے ایسا کون رد کر دے جو قسمت کے نوشتے کو
کوئی طاقت نہیں جو توڑ دے اس پاک رشتے کو

حنا : یا خدا۔ یہ تو مجھے بھاگنے کو کہتا ہے۔ اب میں۔ پھر...

مارکس : یہ کیا؟ تم کانپ رہی ہو؟ حنا کل کا سکھ آج کے فیصلے پر موقوف ہے۔ ؎

تمھیں ہو آرزو اپنی، تمھیں ہو بس خوشی اپنی
تمھاری ایک ہاں پر منحصر ہے زندگی اپنی
امیدیں جی اٹھیں وہ لفظ منھ سے میری جاں کہہ دو
میں صدقے پیارے ہونٹوں کے لب نازک سے ہاں کہہ دو

حنا : نہیں بے درد۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

بنوں گی خاک، مٹا دوں گی اپنے آپ کو میں
مگر نہ دی نہ دغا دوں گی اپنے باپ کو میں

مارکس : اگر تمھیں انکار ہے تو پھر میرا اس دنیا میں جینا بیکار ہے۔

مری خوشی مری راحت تری نہیں تک تھی
سمجھ گیا کہ میری زندگی یہیں تک تھی
اسی طرح سے بس اب یہ عذاب کم ہوگا
نہ دم رہے گا نہ اس دم کے ساتھ غم ہوگا

(اپنے آپ کو خنجر مارنے کی کوشش کرتا ہے)

حنا : ٹھہرو۔ پیارے ٹھہرو۔
مارکس : بس ہاں یا نہیں۔ ایک لفظ۔
حنا : تھوڑی دیر۔ غور کرنے کے لیے، تھوڑی دیر۔
مارکس : ایک منٹ نہیں۔
حنا : آہ...
مارکس : بس کہو کہ مجھے منظور ہے۔
حنا : لے چل خوبصورت جادوگر، لے چل۔ حنا اس دل سے مجبور ہے۔

تیری ہوں، تیرے ساتھ ہوں، دیتی ہوں زباں میں
اب سایہ کے مانند جہاں تو ہے وہاں میں

مارکس : تو اپنے باپ کو خبر ہونے سے پہلے یہاں سے نکل چلو۔

جیسے یہ جسم و روح ہیں ویسے ہی ساتھ دو
لو آؤ اب چلو، مرے ہاتھوں میں ہاتھ دو

(دونوں جانا چاہتے ہیں کہ عزرا سامنے آجاتا ہے)

عزرا : ٹھہرو۔ کہاں جاتے ہو؟ کہاں بھاگ کر چھپنا چاہتے ہو؟ ؎

یہ پھانس اس زندگی میں چبھ کے مشکل سے نکلتی ہے
ڈرو اس بد دعا سے جو جلے دل سے نکلتی ہے
تمھاری آرزو دنیا سے خالی ہاتھ جائے گی
جہاں جاؤ گے میری بد دعا بھی ساتھ جائے گی

حنا : رحم۔ پیارے ابا ہم گنہگاروں پر رحم۔

عزرا : رحم۔ ایسے نابکار پر؟ رحم تجھ جیسی ناہنجار پر؟ کیا اسی دن کے لیے میں نے تجھے پالا تھا؟ اور کیوں او رومن قوم کے نجس کتے۔ جس نے ہمیشہ محبت سے تیری پیٹھ کو تھپتھپایا۔ جس نے تجھے شریف اور وفادار سمجھ کر تیرے منھ پر ٹھوکر مارنے کے بدلے تجھے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھایا۔ اسی محسن کے کلیجے میں اپنے زہری دانت گڑونے کے لیے تیار ہوا۔ ؎

قہر خدا سے گڑ نہ گیا، تو زمین میں
کیا بے وفائی جرم نہیں تیرے دین میں
وہ بات کی نہ تھی جو، گمان و یقین میں
اک سانپ گویا پالا تھا اس آستین میں
کیا جانتا تھا مہر کے پردے میں قہر ہے
آب بقا میں سمجھا ہوں جس کو وہ زہر ہے

حنا : ابا۔ پیارے ابا۔ بے شک ہم دونوں محبت کرنے کے مجرم ہیں۔ مگر ہمارا جرم گناہ کی آلودگی سے پاک ہے۔ اس لیے ہم سے نفرت کرنا انصاف کے خلاف ہے۔

مارکس : ۔

ہے پاک گناہوں سے ہماری یہ خطا بھی
غارت ہوں، اگر ہم کو بدی نے ہو چھوا بھی
ہم چشمہ الفت میں ہیں مانند کنول کے۔
جو پانی کے اندر بھی ہے پانی سے جدا بھی

عزرا : تو کیا تم محبت کرنے کے سوا اور ہر طرح بے قصور ہو۔ چاند کی طرح اس زمین کی برائیوں سے دور ہو؟

مارکس : ہاں بزرگ عزرا۔ ایسا ہی ہے۔ ۔

پرواز کی طاقت تھی مگر پر نہیں نکلے
اخلاق کے قانون سے باہر نہیں نکلے
یہ قلب و جگر پاک ہیں، یہ دیدہ تر پاک
اللہ ہے شاہد کہ ہے دل پاک نظر پاک

عزرا : افسوس۔ میں نے کیا سوچ رکھا تھا اور یہاں کیا واقعہ روبہ کار ہے۔ سچ ہے جس طرح دریا کی رو کے سامنے ایک تنکا بے بس ہے۔ اسی طرح تقدیر کے آگے تدبیر ناچار ہے۔ ۔

مجھ کو ہے خیال اور انھیں مدنظر اور
اَرمان طبیعت میں اِدھر اور اُدھر اور

حتا : لبا۔ پیارے لبا۔

عزرا : سالومن۔ غیر قوموں کے خون سے سینچی ہوئی سرزمین ظلم پر حُسن کا قحط نہیں ہے۔ روم کے محفل افروز کنواریوں کی موجودگی میں حتا کو دل دینے کا باعث؟

مارکس : اس کی دلفریب صورت۔ اور صورت سے زیادہ اس کی سیرت۔

عزرا : تو کیا تم اسے عزیز رکھو گے؟

مارکس : اپنی جان کی طرح۔

عزرا : اس کی عزت کروگے؟

مارکس : اپنے ایمان کی طرح۔

عزرا : اس کی حفاظت کروگے؟

مارکس : اپنی آبرو اور شان کی طرح۔

عزرا : اچھا تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں اور خوشی سے اس کا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں دیتا ہوں آگے بڑھو۔ دو زانو ہو ـــــ نہیں سنا۔ دو زانو ہو۔

مارکس : کیا آپ مجھ سے کوئی مزید اقرار کرانا چاہتے ہیں؟

عزرا : ہاں۔ بغیر مذہب بدلے۔ ایک رومن۔ یہودی لڑکی سے شادی نہیں کرسکتا۔ اس لیے سب سے پیش تر تمھیں اسرائیلی عقاید کی تعلیم دے کر اپنے مذہب میں لاؤں گا اور پھر موسوی شریعت کے مطابق تم دونوں کا ہاتھ ملا کر باپ کے فرض سے ادا ہوجاؤں گا۔

مارکس : تو کیا مجھ کو خطائے محبت کے جرمانے میں اپنا مذہب دینا ہوگا؟

عزرا : ہاں۔ اگر تم سچے ہو، ایمان دار ہو، اپنے دل کی انگوٹھی کا نگینہ بتانے کے لیے اس ہیرے کو خریدنا چاہتے ہو۔ تو اس کی قیمت صرف تمھارا مذہب ہے۔

حنا : پیارے۔ میرے پیارے۔ ؎

سوچ میں کیوں پڑگئے آخر ہو کوئی بات بھی
ہاں کہو، مل جاے تاکہ دل کی صورت ہاتھ بھی

مارکس۔ ؎

کس کو چاہوں، کس کو چھوڑوں کشمکش میں جان ہے
اک طرف یہ حور ہے اور اک طرف ایمان ہے

عزرا : جواب دو۔ کیا خیال ہے؟

مارکس : میں حنا کو چھوڑ سکتا ہوں۔ مگر اپنا مذہب چھوڑنا محال ہے۔

عزرا : تو پھر نہیں؟

مارکس : نہیں۔

عزرا : انکار؟

مارکس : لاچار۔

عزرا : دوری؟

مارکس : مجبوری۔

ساری دنیا سے زیادہ یہ شکر لب مجھ کو
اور اس سے ہے زیادہ مرا مذہب مجھ کو
ایسی شے سہل میں انسان نہیں دے سکتا
جان دے سکتا ہے، ایمان نہیں دے سکتا

عزرا : تب کیا۔ رومن قوم کے ذلیل کتے۔ کیا تو معصومیت کے معبد میں گناہوں کی بدبو پھیلانے۔ فسق و فجور کا جال بچھا کر ایک بھولی بھالی لڑکی کو حرام کاری کا راستہ بتانے آیا تھا۔

رسائی کی پیدا میرے گھر میں، عزیز، ہمدرد و یار بن کر
مگر یہ ٹھانے ہوئے تھا دل میں کہ باغ اجاڑے بہار بن کر
دغا اور اس سے دغا، بھروسا کیا تھا جس نے مدام تجھ پر
زمیں سے نفریں، فلک سے لعنت، پڑے گی ہر صبح و شام تجھ پر

حنا : پیارے۔ میرے پیارے۔ یہ کیا؟

ہم وہی اور تم وہی پھر یک بیک کیا ہو گیا
با وفا دل آج کیوں بے درد ایسا ہو گیا
جان لو دل کی لگی کی قدر اب بھی جان لو
یہ نہ میں کہنے کو رہ جاؤں کہ دھوکا ہو گیا

مارکس : حنا۔ میری قوت فیصلہ بیکار ہو گئی۔ میرے چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔ اب مجھے جانے دو۔

عزرا : ٹھہرو۔ ایک یہودی جس کے سر کے بال تمھاری قوم کے ظلم سہتے سہتے سفید

ہوگئے ہیں۔ جانے سے پہلے اُس کے جلے اور دکھے دل سے نکلے الفاظ سنتے جاؤ۔ جس قہار و جبار کے پُر جلال نام کی قسمیں کھا کھا کر تم نے مجھے اور اِسے دھوکا دیا ہے۔ جس حاضر و ناظر ہستی کو گواہ کر کے ایک معصوم دوشیزہ کو ٹھگا ہے، وہ بے کس نواز، وہ منصف، وہ منتقم حقیقی خدا تمھیں بغیر سزا دیے کبھی نہ چھوڑے گا۔ جس بے رحمی سے تم نے اس غریب کا دل توڑا ہے۔ اسی بے دردی سے وہ تمھارا غرور توڑے گا۔ ؎

کڑھو، تڑپو، جلو، دل چور چور اور آنکھ پُر نم ہو
خدا کی نعمتیں ہوں، جاؤ، تم ہو، اور جہنم ہو

(پردہ)

دوسرا ایکٹ - پہلا سین

شاہی محل

(مارکس اور آکٹیویا کا آنا)

مارکس : پیاری آکٹیویا۔ احمق، شرابی اور پاگل، ان میں سے کوئی جرم کرے تو درگذر کی جاسکتی ہے مگر جس گناہ میں عقل تمیز اور ارادہ شامل ہو اس سے چشم پوشی نہیں ہوسکتی۔ میں کس منہ سے معذرت پیش کروں؟ ؎

ہے زباں بھی بند، لب ہائے سخن پرداز بھی
دم بخود ہے نطق بھی اور نطق کا اعجاز بھی
ہونٹ تک آتے حجاب آتا ہے لفظِ عذر کو
چھپ کے بیٹھی ہے گلے میں، شرم سے آواز بھی

آکٹیویا : میرے دل کے مالک۔ انسان اور غلطی ایک ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ جو گناہ نہیں کرتا وہ بے شک سزاوار توصیف ہے۔ مگر جو گناہ کرکے نادم ہوتا ہے اور تلافی کرتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ قابلِ تعریف ہے۔

مارکس : تب تم میری گذشتہ بے اعتنائیوں کو معاف کرتی ہو؟

آکٹیویا : میرے پیارے بار بار معافی کا لفظ دُہرا کر مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو؟ ؎

رحم اور درگذر بھی ہو عفوِ سزا بھی ہو
سو بار میں معاف کروں پر خطا بھی ہو
قبضہ ہے دل پہ، جان پہ، عقل و تمیز پر
آقا کو اختیار ہے اپنی کنیز پر

(آکٹیویا کا جانا)

مارکس : (خود کلامی) دغاباز مارکس۔ بے وفا رومن۔ تو کتنا ذلیل شخص ہے؟ کہ زبان سے آکٹیویا کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہا ہے۔ مگر تیرا دل ابھی تک حنا کو پیار کر رہا ہے۔ کیا ایک گناہ کے بعد دوسرا گناہ کرے گا؟ کیا ایک شریف یہودن کی زندگی اس رومن شہزادی کا بھی حال و مستقبل تباہ کرے گا؟ ؎

بس اب بھی باز آ، وہ کام کیوں بے دین کرتا ہے
کہ جس پر خود ترا دِل تجھ کو سو نفرین کرتا ہے

(جانا چاہتا ہے کہ حنا آتی ہے)

حنا : ٹھہرو۔ ؎

جاتے کہاں ہو مجھ کو ٹھکانے لگا کے جاؤ
مارا ہے جس کو اس کا جنازہ اٹھا کے جاؤ

مارکس : حنا۔ تم اور یہاں؟

حنا : ہاں۔

مارکس : کیوں آئیں۔ کس کے پاس آئیں؟

حنا : اپنے صیاد کے پاس۔ قتل کرکے بھول جانے والے جلاد کے پاس۔ ؎

بے کس پہ ستم حد سے گذر کر نہیں کرتا
اس طرح کلیجہ کوئی پتھر نہیں کرتا
دنیا میں ہیں صیاد بھی، جلاد بھی، لیکن
جو تونے کیا کوئی ستم گر نہیں کرتا

مارکس : حنا۔ جب تک ستار کے تار آپس میں ملے رہتے ہیں، تبھی تک ان میں سے ایک دل لبھانے والا سریلا نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ تمھارے باپ کی ضد نے ٹھوکر مار کر اُس محبت کے ساز کا تار تار الگ کر دیا ہے۔ اس ٹوٹے ہوے ساز سے دوبارہ محبت کا زمزمہ پیدا ہونا محال ہے۔ پہلے میرا

کچھ خیال تھا اور اب کچھ اور خیال ہے۔ ؎

اب نہ وہ بات رہی اور نہ وہ جوش مجھے
تم بھی اب میری طرح کر دو فراموش مجھے

حنا : اگر یہی ارادہ تھا۔ آئندہ چل کر دھوکا ہی دینا تھا۔ تو ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی کو جو جوان ہو کر بھی، محبت کیا ہے؟ محبت کیوں کرنی چاہیے؟ محبت کس سے کرنی چاہیے؟ ان باتوں سے مطلق خبردار نہ تھی۔ کیوں اس انیلی ناسمجھ کو دوزانو بیٹھ کر، آنسو بہا کر، گڑگڑا کر، قسمیں کھا کر اپنی جھوٹی محبت کا یقین دلایا؟ کیوں اپنے ہونٹوں سے اس کی زندگی کے آب حیات میں زہر ٹپکایا؟ آہ۔ ؎

تمھیں ہو، پھونک ڈالا ساتھ دل کے، جان و تن جس نے
بگاڑا ہے یہ گھر جس نے، اُجاڑا ہے چمن جس نے
تم اپنا ظلم اِس آنکھ، اس دلِ رنجور سے دیکھو
ہمارا گھر جلے، اور تم تماشا دور سے دیکھو

مارکس : حنا۔ تمھارا حُسن، نیکی، عصمت، شرافت، ابھی تک یہ تمام چیزیں پاک امانت کی طرح اچھوتی ہیں۔ اس لیے بدبخت عورت، قسمت اور اپنے باپ کے فیصلے پر صبر کرو۔ کیونکہ اس مجبورانہ جدائی کے، یہی دونوں ذمہ دار ہیں۔ جاؤ۔ مجھ سے اچھے اور مجھ سے زیادہ قابل لوگ تمھاری قدر کرنے کو تیار ہیں۔ ؎

بدلا جو میں نے تم بھی بدل ڈالو طور کو
جو دل مجھے دیا تھا وہ دے ڈالو اور کو

حنا : یہ تم جیسے بے دید اور طوطا چشم مردوں کا شیوہ ہے۔ جس طرح ایک سچا خدا پرست انسان، دوسرے خدا کی خدائی کا اقرار نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک وفادار اور شریف عورت بھی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو پیار نہیں کرسکتی۔ ؎

عمر بھر کو تجھ پہ صدقے جان میری ہو چکی
تو نہ ہو میرا، مگر میں دل سے تیری ہو چکی

مارگس : حنا۔ تم آج سے پہلے مجھے کیا سمجھتی تھیں؟

حنا : ایک نیک یہودی۔

مارگس : اور اب کیا سمجھتی ہو؟

حنا : ایک بے وفا رومن۔

مارگس : لیکن میں نہ وہ تھا نہ یہ ہوں۔

حنا : تو پھر۔

مارگس : میں سلطنت روم کا ولی عہد یعنی اس ملک کا ہونے والا شہریار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنا مذہب تبدیل کرنے سے لاچار ہوں۔

حنا : تم ولی عہد ہو؟ اس ملک کے ہونے والے بادشاہ ہو؟

مارگس : ہاں۔ اب تم ہی منصف ہو۔ اگر میں تمھارے باپ کی شرط منظور کرلیتا تو مجھے مذہب کے ساتھ سلطنت کی امید بھی چھوڑ دینی پڑتی۔

حنا : تو کیا سلطنت سچی محبت سے زیادہ قیمتی ہے۔ شاہی تخت عورت کے پاک دل سے زیادہ مقدس ہے۔ غلاموں اور درباریوں کا شور تنہائی میں گونجتی ہوئی پیار کی راگنی سے زیادہ میٹھا ہے۔ شہزادے صاحب۔ اگر مرد کو دنیا میں عورت کی سچی محبت مل جائے تو اسے سلطنت کیا بہشت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

مارگس : جو ہوچکا اُس کا باعث مجبوری ہو یا بھول۔ لیکن اب میں دوبارہ وہ خواب نہیں دیکھ سکتا۔

حنا : کیوں؟

مارگس : کیونکہ کل شہزادی آکٹیویا سے میری شادی ہونے والی ہے۔

حنا : شادی؟

مارگس : ہاں۔

حنا : کان مجھے دھوکا تو نہیں دیتے، اپنے لفظوں کو پھر دہراؤ۔ شہزادی آکٹیویا سے

تمھاری شادی ہوگی؟

مارکس : ہاں۔ ہاں۔

حنا : ظالم بے درد۔ تو کیا اسے بھی اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر مجھ ناشاد و نامراد کی طرح اُس غریب کی جوانی اور زندگی کو بھی خاک میں ملانا چاہتا ہے۔ اُس منحوس دن کا سورج کبھی طلوع نہ ہوگا میں تیرے بھولے شکار کو ہوشیار کردوں گی کہ تو فریبی ہے، جھوٹا ہے، دغاباز ہے۔ یہ شادی ایک عورت کی زندگی کا انجام اور دوسری عورت کی تباہی کا آغاز ہے۔

مارکس : مگر یہ شادی کل کے دن مقرر ہو چکی ہے اور کل کا دن مقدر کے فیصلے کی طرح اٹل ہے۔

حنا : تو مقدر کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ شادی ہرگز نہ ہوگی۔

مارکس : ضرور ہوگی۔

حنا : کبھی نہ ہوگی۔

مارکس : کل ہی ہوگی۔

حنا : قیامت تک نہ ہوگی۔

مارکس : میں جو کہتا ہوں۔

حنا : میں جو کہتی ہوں۔

مارکس : اس شادی کو کون روک سکتا ہے؟

حنا : میں۔ میں عزرا یہودی کی لڑکی حنا۔

مارکس : کون؟ تو؟

حنا : ہاں میں۔ پھر کہتی ہوں کہ میں اور میرے ساتھ روم کا قانون۔ روم کا رواج۔ روم کا بادشاہ، میں ان سب کو مجبور کروں گی کہ اس دغاباز کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا جائے۔ اس بدانجام شادی کے گھروندے کو ٹھوکروں سے ڈھا دیا جائے۔

مارکس : یہ ناممکن ہے۔

حنا : اگر یہ ناممکن ہے تو میں یہ سمجھوں گی کہ ظالموں اور موذیوں کے لیے میدان

صاف ہے۔ روم میں نہ کوئی بادشاہ ہے، نہ قانون ہے، نہ انصاف ہے۔ ؎

باطن میں بزدلے ہیں بظاہر دلیر ہیں
یہ دور سے ڈرانے کو مٹی کے شیر ہیں

مارکس : ہُشت۔

(حنّا کا گانا)

جو طبیب اپنا تھا دل اُس کا کسی پر زار ہے
مژدہ باد اے مرگ، عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

کیسے بے دردی کے پالے پڑے ہیں۔
فرقت میں جینے کے لالے پڑے ہیں۔
ظالم نگاہوں کی بیداد دیکھو۔
چتون کے سینے پہ بھالے پڑے ہیں۔

دِل لگانا ہے دلگی دل کی
اب رلانے لگی ہنسی دل کی
شمع رو دیکھ حال پروانہ
بری ہوتی ہے لَو لگی دل کی

ظالم محبت نے آگ لگادی۔
جل جل کے اس دل میں چھالے پڑے ہیں۔
کیسے بے دردی کے پالے پڑے ہیں۔

(جانا)

دوسرا ایکٹ - دوسرا سین

دَربار

(سہیلیوں کا ناچتے گاتے دکھائی دینا)

دختر رز کے کنٹر جھٹکاؤ۔
قلقلِ مینا کا ساغر چمکاؤ۔
باقی رہے نہ قطرہ بھی ایک۔
بھر بھر ساغر دلبر پیو اب مل کر دلبر خوشتر۔ دختر رز...
کاری کاری گھٹا ہے چھائی۔
باد صبا مژدہ یہ لائی۔
آب ناب کی برسے گی بارش۔
میکشوں کے لیے آج عید پیو شوق سے۔
بھر بھر ساغر دلبر پیو اب مل کر دلبر خوشتر۔ دختر رز.....

سردار ۱:

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

سردار ۲:۔

ہوائے عیش نے پھیلائی نکہتِ شادی
اُڑا ہے مشک ختن خاک کے بگولوں میں

چوبدار : دولت و اقبال پائندہ، رعایائے روم کے رواج قدیم کے مطابق اِس شہر کا مشہور سوداگر عزرا یہودی اپنی قوم کی طرف سے عقیدت مندانہ نذرانہ پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا ہے اور عالی مرتبت شہزادی سے شرفِ حضوری کی اجازت چاہتا ہے۔

آکٹیویا : کون آیا ہے؟ عزرا۔ وہ یہودیوں میں سب سے زیادہ شریف و معزز بوڑھا۔ میں اسے دیکھ کر ضرور خوش ہوں گی۔ حاضر کرو۔

مارکس : (خود کلامی) عزرا اور یہاں؟ اگر مجھے پہچان کر، غم و غصہ میں دل کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کا کوئی شرارہ منہ سے نکل جائے گا تو چشم زدن میں یہ جلسۂ شادی انصاف کی عدالت سے بدل جائے گا۔

بروٹس : (خود کلامی) دیوتا خیر کریں۔ یہ نحوست کی نشانی، مصیبت کا پیش خیمہ اس ہنسی خوشی کے جلسے میں کہاں سے نازل ہوا؟ ـــــ (مخاطب ہو کر) شہزادی رواج کی سرپرستی جلسے سے باہر بھی ہوسکتی ہے۔ حکم دیجیے کہ نذرانہ لے کر اس نامبارک عبرانی کو دروازے ہی سے واپس کر دیا جائے۔

آکٹیویا : بزرگ باپ۔ ایک بے ضرر یہودی سے اتنی نفرت؟ کیا وہ کوئی چور یا خونی ہے؟

بروٹس : وہ ایک کافر نعمت۔ سنگ دل۔ زر پرست۔ دیوتاؤں کی راندہ اور دنیا کی مردود کی ہوئی قوم کا ایک شخص ہے۔ اس لیے اس مبارک جلسے میں اس کا شریک ہونا سخت بدشگونی ہے۔

آکٹیویا : مگر اُس کی موجودگی سے ہمارا کیا نقصان ہو سکتا ہے؟

بروٹس : راتوں کو ایک کونے میں بیٹھ کر رونے والا کتا کیا نقصان پہنچاتا ہے جو فوراً محلّہ سے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔ مکان کی چھت پر بیٹھ کر غم زدہ آواز میں بولنے والا الو کیا تکلیف دیتا ہے جو فوراً بانس اور ڈھیلوں سے اڑا دیا جاتا ہے۔ جس طرح یہ دونوں اپنی موجودگی سے نحوست پھیلاتے ہیں۔ اسی طرح یہ نجس یہودی بھی جہاں جاتے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور ساتھ لے جاتے ہیں۔

(عزرا کا داخلہ)

آکٹیویا : عزرا۔ خوش آمدی۔ تمھیں اس خوشی کے جلسے میں دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔

عزار : معزز شہزادی۔ سلطنت آپ کے گھر میں موجود ہے۔ زرّیں لباس آپ کے توشہ خانے میں بھرے پڑے ہیں۔ زر و جواہر آپ کی ٹھوکروں میں کھیلتے پھرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کی آپ کو پرواہ و ضرورت ہو۔ اس لیے میں اپنی اور اپنے قوم کی طرف سے ان کے دلوں کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعاؤں کا لازوال تحفہ پیش کرتا ہوں۔ اسے قبول فرمایئے۔

آکٹیویا : میں اس تحفے کو تمام دنیا کے خزانوں سے زیادہ قیمتی سمجھتی ہوں۔

عزرا : اس فراخ مشربی و بے تعصبی کے صلے میں اُس آسمانی خدا کی بہترین برکتیں آپ پر سایہ گستر ہوں ـــــــ اور اُس ملعون رومن پر جس نے میری بھولی بچی کی راحت و زندگی تباہ کردی، بدترین عذاب نازل ہو۔

بروٹس : عزیز شہزادی۔ اگر اس نجس یہودی کی موجودگی ضروری ہے تو پہلے اسے مندر میں بھیج کر پاک بنایا جائے۔ اس کے بعد شادی کے جلسے میں بلایا جائے اور شرکائے جلسہ کی روحیں اس کی پرچھائیں پڑنے سے گندی نہ ہوجائیں۔ اس لیے احتیاطاً دور بٹھایا جائے۔

عزرا : عالی مرتبت۔ دینی سردار۔ جس طرح رومن قوم اپنے بادشاہ کی وفادار ہے اسی طرح یہودی قوم بھی اس کی دعا گزار و تابع دار ہے۔ جس طرح وہ شاہی قانون اور شاہی حکموں کا ادب کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی ان کی عزت کرتے ہیں۔ جس طرح وہ بادشاہ کے خیر خواہوں کو اچھا اور بدخواہوں کو برا سمجھتے ہیں اسی طرح ہم بھی اس کے دوستوں سے محبت اور دشمنوں سے نفرت کرتے ہیں۔ جب ہر مذہب و ملت اور رعیت کے ہر چھوٹے بڑے پر بادشاہ کی مساوی نظر التفات ہے تو محض مذہبی تعصب کی بنا پر اس کی شریف

رعایا کو سر دربار ذلیل کرنا، کتنی شرم کی بات ہے۔

بروٹس : ذلیل کو ذلیل کہنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ کیا تم یہودیوں نے اپنی کینہ پروری، اپنی بے رحمی، اپنی سود خوری سے رومن قوم کے سر پر مصیبت نہیں ڈھائی ہے؟

عزرا : اگر ہم واقعی ایسے ہیں تو ہمیں ایسا بے رحم بنانے والے تم اور تمھاری ظالم قوم ہے۔ جب تم ہمارے مذہب کو ذلیل سمجھوگے۔ ہمارے رسم و رواج کی تحقیر کروگے۔ ہمیں کتا سمجھ کر ٹھوکر مارو گے تو یقیناً ہمارے دل میں بھی انتقام کا سویا ہوا جذبہ بیدار ہوگا۔ جب ایک غریب بھی اپنے ستانے والے پر الٹ کر حملہ کرتا ہے تو دل اور کلیجہ رکھنے والا انسان کیوں نہ بدلہ لینے کے لیے تیار ہوگا؟

بروٹس : جھوٹے۔ اگر ہم واقعی ایسے ہوتے تو تم ہماری سلطنت میں رہنے بھی نہ پاتے۔

عزرا : کیوں نہیں۔ یہ سورج جو ہمیں روشنی پہنچاتا ہے، دریا جو ہمیں پانی پلاتے ہیں۔ زمین جو ہمارے لیے غذا اگاتی ہے۔ غرض قدرت کی ہر قوت جو ہماری خدمت بجالاتی ہے۔ ان سب کی ہمدردی کا سبب تمھاری ہی مہربانی ہے۔ تمھاری ہی وجہ سے ہماری زندگانی ہے۔

بروٹس : تو کہہ سکتا ہے کہ یہودی قوم کے ساتھ ہم نے کون سا بُرا سلوک کیا ہے؟

عزرا : یہ مجھ سے نہیں اپنے بے رحم دل سے پوچھو۔ اپنے خون بھرے ہاتھوں سے پوچھو۔ اپنی چھریوں اور خنجروں سے پوچھو۔ کیا ہزاروں یہودیوں کو، صرف اس قصور پر کہ وہ ابراہیم اور یعقوب کے خدا کو کیوں پوجتے ہیں، سخت سے سخت عذاب کے ساتھ قتل نہیں کرایا۔ کیا سینکڑوں اسرائیلی بچوں کو یتیم اور ہزاروں عورتوں کو بیوہ نہیں بنایا۔ کیا ہماری قوم کے مظلوموں اور بے کسوں سے تم نے اپنا قید خانہ نہیں بسایا؟ اگر یہی اچھا سلوک اور یہی اچھا کام ہے تو پھر مجھے بتاؤ کہ ناانصافی اور ظلم کس چیز کا نام ہے؟

تم ستم کرتے رہے اور ہم ستم دیکھا کیے
خانماں برباد ہوکر رنج و غم دیکھا کیے
سر ہوئے تیغ عداوت سے قلم، دیکھا کیے
تم نے کیں لاکھوں جفائیں اور ہم دیکھا کیے
بغض کا ہم پر مگر الٹا اثر ہوتا گیا
چھانٹنے سے نخلِ قومی بار ور ہوتا گیا

سردار ا : ناعاقبت اندیش یہودی خاموش رہ۔ کیا زندگی سے ناامید ہے؟ (بروٹس سے مخاطب ہوکر) بزرگ باپ۔ ایک فرسودہ حواس بوڑھے کو اپنا مخاطب بنانا آپ کے رتبہ اور شان سے بعید ہے۔

بادشاہ : میں بھی اس رائے کو پسند کرکے آپ کو اس کی احمقانہ جرأت سے چشم پوشی کرنے اور اس یہودی کو خاموش رہنے کا حکم دیتا ہوں.... اٹھیے اور میرے عزیز بچوں کو شادی کی برکت دیجیے۔

(بروٹس کا اٹھ کر مارکس اور آکٹیویا کا ہاتھ ملانا)

بروٹس : ؎

خوش اور ایک دوسرے پر مہربان رہو
دنیا میں بامراد رہو شادماں رہو

(حنا کا آنا)

حنا : ٹھہرو۔ جب تک انصاف کی عدالت میں۔ بادشاہ عادل کے روبرو ایک بادفا کی عرضی پیش ہوکر دغابازی کے مقدمے کا فیصلہ نہ ہولے۔ اُس وقت تک ٹھہرو۔

بادشاہ : یہ کون؟

بروٹس : تو کون؟

مارکس : ؎ (خود کلامی)

باعثِ تکلیف راحت میں گراں جانی ہوئی۔
سن رہا ہوں صاف اک آواز پہچانی ہوئی

عزرا : حنا۔ تو یہاں کیوں آئی؟

حنا : انصاف کے لیے۔

عزرا : کیا تجھے یقین ہے کہ ایک رومن شہزادے کے برخلاف ایک یہودی لڑکی کی فریاد سنی جائے گی؟

حنا : اگر اس دربار کا دعویٰ ہے کہ یہاں امیر و غریب دونوں کا یکساں انصاف ہوتا ہے۔ تو اس دعوے کی شرم رکھنے کے لیے اسے میری فریاد سننی پڑے گی۔

بادشاہ : اجنبی لڑکی۔ صاف لفظوں میں حال بیان کر۔ اگر تو مظلوم ہے تو تیرا حریف چاہے شاہی نسل ہی کا آدمی کیوں نہ ہو۔ مگر انصاف ضرور تیری طرفداری کرے گا۔ بول۔ کس کی ستائی ہے؟ اور کس کے خلاف فریاد لائی ہے؟

حنا : مجھے ستانے والا، دین و دنیا سے مٹانے والا۔

جفا پیشہ، وفا دشمن، ستم گر کون ہے؟ یہ ہے۔
شکایت جس کی کرتا ہے مقدر کون ہے؟ یہ ہے۔

آکٹیویا : کون؟ شہزادہ مارکس؟

بادشاہ : ولی عہدِ سلطنت؟

حنا : یہی۔ یہی۔

اسی کے دم سے خزاں باغ کی بہار ہوئی
یہی ہے، جس سے مری زندگی یہ خوار ہوئی

بادشاہ : مارکس۔ سنتا ہے؟ اس الزام کا تیرے پاس کیا جواب ہے؟

مارکس :

ستائی گئی ہے، بُرا کہہ رہی ہے
یہ جو کہہ رہی ہے بجا کہہ رہی ہے

آکٹیویا : دیوانی عورت۔ الزام لگانے سے پہلے انجام سوچ لے۔

حنا : بچیے۔ بچیے۔ شہزادی صاحبہ۔ اس خوبصورت سانپ کے زہر سے بچیے۔ ؎

بے رحم ہے یہ رحم سر مو نہیں رکھتا
یہ روح میں درد آنکھ میں آنسو نہیں رکھتا
آزاد ہے جذبات پہ قابو نہیں رکھتا
انسان ہے، انسان کی مگر خو نہیں رکھتا
یہ پھول ہے وہ جو خوشبو نہیں رکھتا

آکٹیویا : بس بس خاموش۔ میں اپنے پیارے کی نسبت ایسا کوئی لفظ سننا نہیں چاہتی۔ جس سے اس کی توہین ہو۔

حنا : شہزادی۔ ؎

سراسر مکر، سر تا پا دغا، نا آشنا ہے یہ
مری آنکھوں سے دیکھو تم تو ہو معلوم کیا یہ
کنواری رہنا بہتر جانیے اس عقد ہونے سے
وفا کی ہے عبث اُمید مٹی کے کھلونے سے

بروٹس : عالم پناہ۔ اگر آپ میری نصیحت قبول فرمائیں تو میں یہ کہوں گا کہ عورت کے بیان پر کبھی یقین نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ عورتیں شیطان کے مکتب سے تعلیم پاکر نکلی ہیں۔ اس لیے ان سے ہر وقت ڈرنا چاہیے۔ ؎

جفا سے انس کریں اور وفا سے عار کریں
جگر پہ ضرب لگائیں تو دل پہ وار کریں
جو شرمناک عمل ہو ہزار بار کریں
یہ بے گناہ کو، دم میں گناہ گار کریں
ہزار مکر کے پہلو نکلتے بات سے ہیں
جہاں میں جتنے ہیں فتنے سب ان کی ذات سے ہیں

عزرا : سریر آرائے عدالت، سلطنت کا ایک معزز رکن ہو کر انصاف کے راستے میں

روڑا اٹکانا، دباؤ ڈال کر شاہی انصاف اور شاہی رائے کو ایک مظلوم فریادی کے خلاف بنانا۔ کیا ان جیسے مقدس اور مذہبی پیشوا کو سزاوار ہے۔ کیا سلطانِ عادل کا انصاف مظلوموں کا سرپرست ہونے کے بدلے ظالموں کا طرفدار ہے؟

بادشاہ : نہیں عبرانی کبھی نہیں۔ جس طرح آفتاب کی روشنی، امیر کے محل اور غریب کے جھونپڑے میں کوئی فرق نہیں کرتی۔ اسی طرح میں بھی انصاف کے وقت ادنیٰ اور اعلیٰ سب کو یکساں جانتا ہوں۔ اپنی ذمہ داری اور اپنا فرض اچھی طرح پہچانتا ہوں۔

عزرا : بس تو پھر جھگڑا صاف ہے۔ آج کے روز آپ کے لیے صرف ایک ہی کام ہے اور وہ ان دونوں کا انصاف ہے۔

بادشاہ : میں انصاف کو استعمال کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کردوں گا۔

حنا : خدا آپ کو مظلوموں کی حفاظت کے لیے قیامت تک زندہ رکھے۔ فرمایئے۔ آپ کی رعایا میں سے اگر کوئی شخص شادی کا وعدہ کرکے کسی عورت کو اپنی محبت میں گرفتار کرے اور اس کے کنوارے ہونٹوں اور گالوں کو ناپاک بنانے کے بعد اسے چھوڑ کر کسی دوسری عورت کو اپنی دغابازی کا شکار کرے۔ تو حضورِ والا کا قانون اس کے لیے کیا سزا تجویز کرتا ہے؟

بادشاہ : موت۔ بغیر رحم کے موت۔

عزرا : بس تو ہوچکا۔ فیصلہ ہوچکا۔ آپ شاہی نام کی عزت ہیں۔ تختِ سلطنت کے اہل ہیں۔ قلم اٹھایئے اور ولی عہد کے سزاے موت کے کاغذ پر دستخط فرمایئے۔

بادشاہ : مگر مجھے پہلے اس کا گناہ تو معلوم ہونا چاہیے؟

حنا : یہ آپ کی عزت اور شہرت کو برباد کرنے والا۔ اس ملک کی غریب لڑکیوں کے سر پر تباہی لا رہا ہے۔ اس نے شادی کا وعدہ کرکے پہلے مجھے دھوکا دیا اور اب شہزادی آکٹیویا کو اپنی پر فریب محبت کے پھندے میں پھنسا رہا ہے۔

مجھ کو نہ کیا تو اسے کیا شاد کرے گا
اِس کو بھی مری طرح سے برباد کرے گا

بادشاہ : مارکس۔ سنتا ہے۔ اٹھ کھڑا ہو۔ اس کا جواب دے۔ ورنہ بدترین قسم کی سزائے موت تیرے لیے تیار ہے۔

مارکس : بے شک غلام اس کا خطاوار ہے۔ اور عاجزی کے ساتھ حضور والا سے رحم کا امیدوار ہے۔

بادشاہ : رحم یہ کرسکتی ہے میں نہیں کرسکتا۔

بروٹس : خاقانِ عالم۔

بادشاہ : بس۔

بروٹس : عالی جاہ۔

بادشاہ : کچھ نہیں۔

بروٹس : یہ نہ ہونا چاہیے۔

بادشاہ : یہ ضرور ہوگا۔

بروٹس : میری یہ عرض ہے کہ قانون گمراہوں کے واسطے ہے۔ نہ کہ بادشاہوں کے واسطے۔

بادشاہ : اگر بادشاہ گمراہ ہے تو اُسے بھی قانون کی رسی میں جکڑا جائے گا۔ اگر شہزادہ چور ہے تو چوری کی علت میں ضرور پکڑا جائے گا۔

بروٹس : میں پھر کہتا ہوں کہ عام رعیت سے ایک شہزادہ زیادہ قابلِ توقیر ہے۔ جس ہتھیار سے غلام پر ضرب لگائی جائے اسی ہتھیار سے آقا کو قتل کرنا رتبہ اور شان کی تحقیر ہے۔

بادشاہ : مگر انصاف کی تلوار آقا اور غلام دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتی ہے۔ ؎

یہاں تمیز نہ آقا میں ہے نہ بندے میں
کہ صاف دونوں کی گردن ہے ایک پھندے میں

بروٹس : عشق کا جوش ایک طرح کا جنون ہوتا ہے۔

حنا : اس خوشامد بازی سے انصاف کا خون ہوتا ہے۔

بروٹس : اری چپ چپ.... تو ایک بھکمنگے کنگال یہودی کی ذلیل چھوکری اور خاندانِ شاہی کی توہین کا ارادہ۔ ایک ننگ و نادم آوارہ لڑکی اور چراغ سلطنت کے بجھانے پر آمادہ۔

حنا : تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ امیروں کے سر تو تاج زر کے لیے ہیں اور غریبوں کے سر امیروں کی ٹھوکروں کے لیے ہیں۔

بروٹس : بے شک۔

عزرا : واہ رے مذہب۔ اور واہ رے مذہبی پیشوا۔

تمھارا غم ہے غم مفلس کا غم بس اک کہانی ہے
تمھارا عیش ہے عیش اور ہمارا عیش فانی ہے
یہاں بچپن بڑھاپا واں بڑھاپا بھی جوانی ہے
تمھارا خون ہے خون اور ہمارا خون پانی ہے
یہ نخوت اور یہ زر کیا لے کے اپنے ساتھ جائے گا
یہیں رہ جائے گا سب یاں سے خالی ہاتھ جائے گا

حنا : عادل سلطان۔ اب مجھے انصاف ملنے میں کیا دیر ہے؟ اگر آپ نے ابھی تک نہ سنا ہو تو میں اس سے بھی زیادہ بلند آواز سے انصاف انصاف پکار سکتی ہوں۔

بادشاہ : اُف کیا کروں۔ اور کیا نہ کروں؟

گھڑی شادی کی جو شاد آئی تھی ناشاد جاتی ہے
اِدھر انصاف جاتا ہے ادھر اولاد جاتی ہے
اندھیرے میں پڑا تھا کیا خبر تھی مجھ کو اس دن کی
جوانی اِس کی اور محنت مری برباد جاتی ہے

عزرا : عادل بادشاہ۔ کیا بیٹے کی محبت اور انصاف میں جنگ ہو رہی ہے؟

بادشاہ : ہاں۔ مگر فتح انصاف ہی کو ملے گی۔

حنا : تو پھر انصاف ملنا چاہیے۔

بادشاہ : ضرور ملے گا۔

حنا : آپ سے؟

بادشاہ : ہاں مجھ سے۔

حنا : کہاں؟

بادشاہ : یہاں۔

حنا : کب؟

بادشاہ : اسی وقت۔ بڑھو اے شاہی حکم کے پرستارو۔ اس ناخلف کو حراست میں لے لو اور کل مذہبی عدالت میں انصاف کے لیے پیش کرو۔

بروٹس : حضور والا۔

بادشاہ : خبردار۔ جو ایک لفظ بھی زبان سے نکالا۔

(موسیقی)

دوسرا ایکٹ - تیسرا سین

کرامت کا مکان

(نصیبن کا داخل ہونا)

نصیبن : توبہ توبہ۔ منوا۔ ارے منوا۔ بولتا کیوں نہیں۔ کیا کر رہا ہے؟ کہاں مر رہا ہے؟

منوا : سرکار حاضر ہوں میں۔ سرکار..... سرکار.....

نصیبن : کیوں رے موے حرام خور۔ سو آوازوں پر ایک جواب۔ تیرا خانہ خراب۔ تانا شاہ کا پوتا ہے یا نادر شاہ کا نواسا؟

منوا : آپ تو مفت خفا ہوتی ہیں۔ ناحق گالیاں دیتی ہیں۔

نصیبن : ارے موئے بد ذات ہم مفت خفا ہوتے ہیں۔ ناحق گالیاں دیتے ہیں۔ کیا تو تنخواہ نہیں پاتا؟

منوا : تو کیا میں گالیاں کھانے کی بھی تنخواہ پاتا ہوں؟ میں نے ہاتھ بیچا ہے یا ذات؟

نصیبن : ہائے ہائے۔ جی چاہتا ہے موئے کو پھانسی لگا دوں پھانسی۔

منوا : اب میں سمجھا۔شاید ہائی کورٹ کے اختیارات بھی آپ اپنے ساتھ جہیز میں لائی ہیں۔

نصیبن : کیوں رے گستاخ نفر۔ پھر کھجایا تیرا سر۔ لوں جوتا۔ کروں مرمت؟

منوا : خبردار وہیں ٹھہر جانا۔ قدم آگے بڑھایا تو تم جاننا۔ زبان سنبھالو۔ اپنی نوکری بھاڑ میں ڈالو۔

(منوا کا جانا)

نصیبن : موے نوکروں پر اسی طرح رعب و داب قائم رکھنا چاہیے۔ بلکہ نوکروں پر ہی کیا منحصر ہے، تمام مردوں سے اسی طرح پیش آنا چاہیے۔ ورنہ مرد کی ذات ذرا سا منہ لگانے سے سر چڑھ جاتی ہے۔ عورت کو لازم ہے کہ مرد کی ڈور کبھی ڈھیلی نہ چھوڑے۔ ان سے ذرا دب کر نہ رہے۔ مرد ایک کہے تو عورت دس سنائے۔ اگر مرد ہاتھ اٹھائے تو عورت بھی اپنا چھل فریب دکھاے۔ روئے چلائے، دہائی مچائے اور کچھ بس نہ چلے تو دانت ہی کاٹ کھائے۔ میں اپنی تمام بہنوں کو صلاح دیتی ہوں کہ مرد سے ہرگز دب کر نہ رہیں۔ کیونکہ ہم عورتوں کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور مردوں کو کنڑیکٹر سے بنوایا ہے۔ مردوں کا فرض ہے کہ عورتوں کا ہاتھ دبائیں پاؤں دبائیں۔ بستر بچھائیں۔ کھانا کھلائیں اور ہاں میں ہاں ملائیں۔ بَس اور کیا۔

(نصیبن کا جانا اور کرامت کا آنا)

کرامت : جان بچی اور لاکھوں پائے۔ یارو ہماری نامراد بیوی نے مار تو ضرور کھلوائی مگر ساتھ ہی ساتھ رقم بھی دلوائی۔ زبردستی کا حکیم بننے یا بے ایمانی کرنے میں بڑا ہی مزا ہے۔ خدا بخشے ہمارے ابّا جان جہنم مکان بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں جو بے ایمانی کے غُبّارے اڑائے گا وہی تر نوالے کھائے گا۔ کیا کریں ایسا کام کرنے کو جی تو نہیں چاہتا تھا۔ مگر بزرگوں کی نصیحت پر عمل کرنا بھی عین سعادت مندی ہے۔ اس لیے میں نے بھی اب یہی راستہ اختیار کرلیا ہے۔ ؎

اے امانت، بر تو لعنت، از تو رنجے یافتم
اے خیانت، بر تو رحمت، از تو گنجے یافتم

منوا : ارے او بیٹا منوا۔

منوا : سرکار حاضر ہوں میں۔ سرکار... سرکار...

کرامت : کیوں بیٹا یہ تو بتا کہ آج کل ہماری بیوی کے مزاج کا تھرمامیٹر کتنی ڈگری پر ہے۔

منوا : سرکار۔ ان کے مزاج کا قوام ہمیشہ کڑا ہی رہا کرتا ہے۔ آج صبح ہی صبح وہ گالیوں کا تار بندھا وہ گالیوں کا تار بندھا کہ الاماں۔ الاماں۔ میرا جی تو اس نوکری سے بالکل بیزار ہو گیا ہے۔

کرامت : ٹھہر جا بچہ کیوں گھبراتا ہے۔ اس شیطان زادی کو ابھی ٹھیک کئے دیتا ہوں۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ سمجھانے سے سمجھ جائے گی۔ مگر لوہے سے نرمی اور برف سے گرمی کی امید فضول ہے۔ اس نے تو جھوٹ موٹ بیوی ہونے سے انکار کیا تھا۔ مگر میں سچ مچ اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے کی فکر کر رہا ہوں۔ اچھا دیکھ اس سے بدلہ لینے کی ترکیب تجھے بتلاتا ہوں۔

(دونوں کانا پھوسی کرتے ہیں کہ نصیبن آ جاتی ہے)

نصیبن : کیوں جی یہ کیا کانا پھوسی ہو رہی ہے؟

کرامت : جی جی کچھ نہیں۔

نصیبن : جی کچھ نہیں۔ دیکھو میں تم دونوں کے کان اچھی طرح کھولے دیتی ہوں۔ آئندہ میرے گھر میں یہ کھسر پھسر نہ ہونے پائے۔

کرامت : اجی کھسر پھسر کیسی۔ یہ تو ذرا مشورہ ہو رہا تھا۔

نصیبن : مشورہ۔ مشورہ بیوی سے کرتے ہیں یا خدمت گار سے؟ دو ٹکے کے نفرے کو یار غار بناؤ گے تو خطا پاؤ گے۔ جوتیاں مار کر نکالو۔ موئے کتے کے منہ پر خاک ڈالو۔

منوا : دیکھیے دیکھیے کتیا مجھے کتا بنا رہی ہے۔

نصیبن : ارے تو کھڑا کھڑا سنتا ہے اور کچھ نہیں بولتا؟

کرامت : مگر میں کیا بولوں اپنا سر؟

نصیبن : تو سنتا نہیں ہے بڈھے جھڑوس؟

کرامت : کیا ہے بیوی فانوس۔

نصیبن : موئے بے حیا، دیکھ یہ کیا ہو رہا ہے؟

کرامت : ہوکیا رہا ہے۔ میری عزت کا نیلام؟

منوا : جو بڑھے سو پائے۔

نصیبن : ہت تجھے خدا خاک میں ملائے۔

منوا : دیکھیے سرکار۔

نصیبن : تیرے سر پر خدا کی مار۔

کرامت : یہ کیا۔ منوا کی خطا اور ہم کو سزا؟

نصیبن : چل موئے مشعلچی۔ ایک مداری ایک ڈفلچی۔

کرامت : تم تو یوں ہی خالی خولی خفا ہو رہی ہو۔

نصیبن : بیٹا خالی بھرے کے بھروسے نہ رہنا۔ مارے جوتیوں کے بھیجا بہا دوں گی۔ میاں اور نوکر دونوں کو مزا چکھا دوں گی۔

کرامت : یا اللہ جو کوئی میری حالت دیکھ کر ہنسے خدا کرے وہ بھی اسی آفت میں پھنسے۔

نصیبن : ذرا موے کو دیکھ تو سہی۔ صورت نہ شکل، بھاڑ میں سے نکل۔ خدا تجھے غارت کرے۔ نیست و نابود کرے۔ الٰہی مجھ کو رانڈ کر دے رانڈ۔

کرامت : (خود کلامی) ٹھہر جا کیوں گھبراتی ہے۔ تو رانڈ ہو اس سے پہلے میں رنڈوا ہوجاتا ہوں (مخاطب کرکے) کیوں بے منوا نہیں مانتا ہے۔ ہماری اکلوتی بیوی کے منھ لگتا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ ہماری بیوی کیا ہے؟ ایک بچھی کا اوتار ہے۔ جب سے اس کا قدم گھر میں آیا ہے سارا محلہ اُجاڑ ہے۔

نصیبن : کیا کہا؟ کیا کہا؟

کرامت : ارے آباد ہے۔ آباد ہے۔ لو چلو اب میں نے اس حرام زادے کو اچھی طرح ڈانٹ دیا ہے۔

نصیبن : نہیں ہرگز نہیں۔ اسے ابھی ابھی میرے گھر سے نکال دو۔

منوا : اونھ۔ جیسے ان کے باپ کا گھر ہے۔ اسے نکال دو۔ اُسے نکال دو۔ نہیں نکلتے۔

نصیبن : دیکھو دیکھو۔ موا کیا کہتا ہے؟

کرامت : کیوں بے غلام، پاجی، نافرجام، بے ایمان، کام چور، حرام خور، ہماری بیوی کو منھ چڑھاتا ہے۔ اب ذرا بھی بولا تو منھ مار کر تھپڑ توڑ دوں گا۔

نصیبن : اچھا دیکھو۔ دوسرا آدمی ملے یا نہ ملے، مگر دو دن کے اندر اسے میرے گھر سے نکال دو۔

کرامت : اجی توبہ کرو۔ دو دن کس کے۔ میرا دم بھی ناک میں آگیا ہے۔ جب تک یہ بلا میرے گھر سے نہ جائے گی تب تک میری طبیعت چین نہ پائے گی۔

نصیبن : اور ہاں خوب یاد آیا، کیوں جی تم نے میرے گلے کے ہار کا وعدہ کیا۔ وہ اب تک نہ لائے۔

کرامت : ہاں۔ ہاں۔ ابھی لاتا ہوں۔

نصیبن : آج سے کل، کل سے پرسوں، یوں ہی ٹالتے جاؤ گے برسوں؟

کرامت : پیاری خدا جانتا ہے۔ مجھے تو رات دن تیرے ہار ہی کی فکر رہتی ہے۔

نصیبن : جھوٹی بات ہے۔ میرا تم پر زور ہے تو ابھی ابھی منگواؤں گی۔

کرامت : ہاں۔ ابھی ابھی آجائے گا۔ یہ دیکھو تمھارے ہار ہی کے لیے تو یہ سو روپیہ کا نوٹ لایا ہوں۔

نصیبن : کیا۔ نوٹ۔ دیکھوں دیکھوں۔ میں دیکھوں نوٹ۔'' (نوٹ دیتا ہے)

کرامت : دیکھ چکیں۔ لاؤ مجھے واپس دے دو۔

نصیبن : اجی بس جاؤ ہوا کھاؤ۔ بندی ایسی بھولی بھالی نہیں جو آیا ہوا نوٹ ہاتھ سے کھوئے گی۔

کرامت : جب ہی تو اپنی قسمت کو روئے گی۔

نصیبن : اب تو بندی خود جاتی ہے۔ سنار سے ہار لے کر آئے گی۔

کرامت : دیکھ یہ بات اچھی نہیں۔ دھوکا کھا جائے گی۔

نصیبن : اجی جاؤ۔ کسی اور کو بناؤ۔ میں ابھی جاتی ہوں اور ہار لے کر آتی ہوں۔

(نصیبن کا جانا)

کرامت : جا کم بخت۔ ہار تو تیری قسمت میں ہے۔ کیوں بچہ منوا کچھ سمجھا؟

منوا : کیا خاک سمجھا۔ آپ تو کہتے تھے میں اس کو نکالنے کی فکر میں ہوں۔ بجائے اس کے نکالنے کے اور الٹا کھٹ سے سو روپیہ کا نوٹ اسے نکال کر دے دیا۔

کرامت : بچہ۔ اس نوٹ کو اس کا رخصتانہ سمجھو۔ جب تک میں یہ نوٹ نہ نکالتا۔ یہ بھی یہاں سے نہ نکلتی۔ سمجھا؟

منوا : اوں ہوں۔ میں تو کچھ نہیں سمجھا۔

کرامت : تو تو بچہ ہے۔ کیا سمجھے گا۔ حکیم بننے یا عقل آنے کے لیے ایک مدت درکار ہے۔ اچھا تو جا دوڑ کر ایک بوتل وسکی تو لے آ..... مگر ہاں۔ ذرا سنبھال کے۔ بغیر پرمٹ کے لائے گا نا؟ ایسا نہ ہو کہ بوتل تیرے ہاتھ میں ہو اور تو پولیس کے ہاتھ میں۔

منوا : اجی میں کہیں ہوں مگر بوتل آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔

کرامت : شاباش۔

(منوا جاتا ہے اور گھبرایا ہوا واپس آتا ہے)

منوا : ارے میاں۔ غضب ہوگیا۔

کرامت : کیا ہوا؟

منوا : پولیس کے جوان اِدھر آرہے ہیں۔

کرامت : آرہے ہیں تو آنے دے۔

منوا : ارے میاں بیگم بھی ان کے ساتھ ہیں۔

کرامت : بیگم بھی ساتھ ہیں۔ بس تو تیر نشانے پر پڑا۔ یاروں کا ایک ہی فقرہ اسے پاگل خانے پہچانے کو کافی ہوگا۔ اچھا دیکھ تو ایک کام کرنا۔ فقط میری ہاں میں ہاں ملائے جانا۔

(نصیبن کا پولیس کے ساتھ آنا)

نصیبن : لو ان سے پوچھ لو یہ نوٹ کس کا ہے؟

کرامت : ہاں تو کیا بتلایا تو نے۔ آلو چھ پیسے سیر۔

جمعدار : کیوں جی یہ نوٹ تمھارا ہے؟

کرامت : ابے ترئی ہمیشہ سڑی ہوئی لاتا ہے۔ یہ ٹماٹر ہیں یا بندر کے گال؟

جمعدار : اجی میں پوچھتا ہوں یہ نوٹ تمھارا ہے؟

کرامت : اجی ہونٹ۔ ہونٹ سردی سے پھٹ گئے ہیں۔

جمعدار : ہونٹ نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ نوٹ تمھارا ہے؟

کرامت : کیا نوٹ۔ جناب کیا آپ مجھ سے دلگی کرتے ہیں۔ دیکھیے اگرچہ میں ایک غریب آدمی ہوں مگر کسی کا حرام کا مال نہیں لینا چاہتا۔ کیوں بیٹا منوا؟

منوا : بجا ہے قبلہ۔

نصیبن : تو کیا تم مجھے نہیں جانتے؟

کرامت : آپ کو پہلے کہیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ شاید کہیں میلے ٹھیلے میں دیکھا ہو۔ کیوں بیٹا منوا؟

منوا : ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ماہم کے عرس میں۔

نصیبن : اگر مجھے نہیں جانتے تو یہ بھی کہہ دو کہ میں تمھاری بیوی نہیں ہوں۔

کرامت : کیا بیوی۔ ارے بیوی غریب دکھیاری، آفت کی ماری، یا جناب باری یہ کون ہوگی لاوارث بے چاری؟

نصیبن : تو کیا تم میرے شوہر نہیں ہو؟

کرامت : کیا کہا شوہر؟ مائی تجھے دھوکا ہو رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری صورت تیرے شوہر سے ملتی ہو۔ دیکھو دیکھو۔ اچھی طرح دیکھو۔ شاید تم آدمی بھول گئی ہو۔

نصیبن : ارے مذاق جانے دو۔ دلگی ہو چکی۔

کرامت : بائی۔ ہم تجھ سے مذاق کیوں کرنے لگی۔ پرائی عورت کو تو میں ماں بہن سمجھتا ہوں۔ کیوں بیٹا منوا؟

منوا : درست ہے قبلہ۔

نصیبن : ارے غضب۔ کیا تم نے ابھی ابھی مجھے یہ نوٹ نہیں دیا؟

کرامت : جمعدار صاحب۔ یہ عورت کیا کہتی ہے۔ آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟

جمعدار : یہ عورت بازار میں جعلی نوٹ چلانے آئی۔ اس لیے سرکار کی مجرم قرار پائی۔

کرامت : جعلی نوٹ؟

منوا : جعلی نوٹ؟

کرامت : کیا دنیا میں ایسی ایسی بھی بے ایمانی ہونے لگی؟

منوا : کیا عورتیں بھی یہ سب کام کرنے لگیں؟

نصیبن : جمعدار صاحب یہ جھوٹا ہے۔ میں اس کی بیوی ہوں۔

کرامت : بائی تیرے منھ کو اختیار ہے۔ تو جو چاہے کہہ دے۔ لیکن میں تو تجھے سگی بہن سمجھتا ہوں۔

نصیبن : ہائے ہائے۔ موا کیا انجان بنتا ہے۔ اپنی خالہ کو اتنی جلدی بھول گیا۔ جی چاہتا ہے کہ موئے کی بوٹیاں نوچ کھاؤں۔

کرامت : جمعدار صاحب۔ پکڑیے پکڑیے۔ ورنہ کسی کا خون کردے گی۔

جمعدار : یہ دیوانی ہے اس کو باندھ لو۔ ورنہ کسی کو کاٹ کھائے گی۔

نصیبن : جمعدار صاحب۔ آپ مجھے کیوں باندھتے ہیں۔ میں کوئی دیوانی ویوانی نہیں ہوں مجھے تو اس بے ایمان کی بات پر غصہ آرہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ...

جمعدار : بس چپ رہو۔ ہم تیرے پاگل پن کے گواہ ہیں۔

نصیبن : موئے پاگل کہنے والے تیرا ستیاناس ہو، تیرا مردہ نکلے۔ تو ملیامیٹ ہوجائے۔ تجھ پر کھڑی بجلی گرے۔ تجھے گہری گور میں گاڑوں۔ تیرا نام لیوا پانی دیوا نہ رہے تجھے روؤں۔ تجھے پیٹیوں، تجھے کھاؤں، تجھے چباؤں۔

جمعدار : لے جاؤ۔ لے جاؤ۔

(جمعدار اور سپاہی نصیبن کو پکڑ کر لے جاتے ہیں)

کرامت : ہت تیرا ستیاناس۔ کیوں بیٹا منوا۔ دیکھا کس صفائی سے پاگل خانے پہنچا دیا۔

منوا : واقعی سرکار۔ آپ نے تو کمال کر دکھایا۔

کرامت : ابے یہ تو جورو تھی۔ کبھی موقع پڑے گا تو بندہ اپنے آپ سے انکار کر دے گا۔

منوا : مگر سرکار۔ اس نے دعویٰ کیا۔ اور تحریری شہادت کا سہارا لیا تو؟

کرامت : ابے جب دعویٰ کرے گی تو دیکھا جائے گا۔ ابھی تو جانے دے۔ ؎

کیا ہاتھ صاف ہے، کبھی خالی گیا نہ وار
میں اپنے آپ کرتا ہوں تعریف بار بار

(کرامت کا گانا)

میں آفت کا پرکالا ہوں۔
سو حکمت فطرت والا ہوں۔
رگڑے جھگڑے کی ہنڈیا میں میں ہلدی مرچ مسالہ ہوں۔
آفت کا مارا پیٹا ہوں۔ میں پھر بھی شیخ کرامت ہوں۔
لچے، شہدے، کُنڈے، بدمعاشوں کا تو میں دادا ہوں۔
تم مجھ کو سانپ سمجھو۔ بھوتوں کا باپ سمجھو ۔
دنیا کا باپ سمجھو۔ جو چاہو آپ سمجھو۔
میں آفت کا پرکالا ہوں۔

دوسرا ایکٹ - چوتھا سین

محل

(حنا کا غزل گانا)

غریبوں کا بھی کوئی آسرا ہوتا تو کیا ہوتا
بت کافر ہمارا بھی خدا ہوتا تو کیا ہوتا
جب اتنی بے وفائی پر اسے دل پیار کرتا ہے
تو یا رب وہ ستم گر باوفا ہوتا تو کیا ہوتا
کوئی لذت نہیں ہے پھر بھی دنیا جان دیتی ہے
خداوند محبت میں مزا ہوتا تو کیا ہوتا
سنا ہے حشر وہ ذکر وفائے غیر کرتے تھے
جو میں بھی بیچ میں کچھ بول اُٹھا ہوتا تو کیا ہوتا

(آکٹیویا کا آنا)

آکٹیویا : میری پیاری بہن، اتنی سخت نہ بن۔ نرمی اور رحم جو عورت کی بہترین صفتیں ہیں، ان کو غصے پر قربان نہ کر۔ بُرے کے ساتھ تو بھی بُری نہ بن۔

بے قراری تری، چاہت کا نشان دیتی ہے
بجھ گئی آگ مگر اب بھی دھواں دیتی ہے
دل میں کچھ ہونٹ پہ کچھ، رسم دغا عام نہ کر
تو بھی اس کی طرح اس عشق کو بدنام نہ کر

حنا : نہیں ہرگز نہیں۔ اب اس کے لیے ایک سوئی کی نوک کے برابر بھی میرے دل میں جگہ نہیں ہے۔

آکٹیویا : دیکھو میں بھی تمھاری طرح ایک عورت ہوں۔ اور معزز قوم کی عورت ہوں۔ ساتھ ہی ایک بادشاہ کی بیٹی اور دوسرے بادشاہ کی بھتیجی ہوں۔ مگر اس پر بھی اس کی زندگی بھیک میں پانے کے لیے ایک فقیرنی کی طرح تمھارے سامنے دامن پھیلاتی ہوں۔ ؎

وفور یاس سے ہے اب عجیب حال مرا
فقیر جان کے پورا کرو سوال مرا

حنا : بچاؤں گی۔ بچاؤں گی۔ جب تم اور یہ دل دونوں اس کی طرفداری کرتے ہیں، تو ضرور بچاوں گی۔ ؎

جاؤ اور کہہ دو وفا کی شرط پوری کر گئی
تم رہو جیتے کہ تم پر مرنے والی مر گئی

(حنا کا گانا)

پیار کرکے نہ جانا نبھانا رے۔
بے وفا ہے یہ جھوٹا زمانہ۔
سب ہیں مطلب کے یار۔ یہ ہیں پورے عیّار۔
کسی ظالم سے دل نہ لگانا۔ پیار...
چھین ہی لیتے ہیں یہ گیسوؤں والے دل کو
کیسا برباد کیا نازوں کے پالے دل کو
کوئی کم بخت بھلا خاک سنبھالے دل کو
بے وفاؤں کے خدا پالے نہ ڈالے دل کو
سب ہیں مطلب کے یار۔ پیار...

دوسرا ایکٹ - پانچواں سین

مذہبی عدالت

(مارکس اور حنا کا الگ الگ کٹھ گھروں میں کھڑے دکھائی دینا ایک طرف عزرا اور دوسری طرف آکٹیویا کا بیٹھے ہوئے نظر آنا۔ بروٹس کا اجلاس کی کرسی پر بیٹھنا۔ چند سپاہیوں کا حنا اور مارکس کو اپنی حراست میں لینا)

بروٹس : حنا تو ہوش میں ہے؟

حنا : ہاں۔

بروٹس : تجھ پر کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا گیا؟

حنا : نہیں۔

بروٹس : تو بنا جبر و اکراہ، اپنا پہلا بیان واپس لیتی ہے؟

حنا : بے شک۔

عزرا : حنا۔ حنا۔ کیوں محبت میں اندھی بن رہی ہے؟

حنا : اس لیے کہ کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

عزرا : کیوں اپنے ہاتھوں سے قبر تیار کر رہی ہے؟

حنا : اس لیے کہ قبر میں جاؤں گی تو ایک بے وفا کے ظلم سے نجات پاؤں گی۔

عزرا : عدالت اس کی باتوں کا یقین نہ کرے۔ یقیناً اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

بروٹس : حنا۔ میں روم کے قانون کے مطابق تجھ سے تیسری مرتبہ دریافت کرتا ہوں کہ تو شہزادہ مارکس پر لگائے ہوئے تمام الزامات واپس لیتی ہے؟

حنا : ہاں۔ لفظ بہ لفظ۔

عزرا : آہ۔

ضبط کی طاقت بھی کھو دیتی ہے اور اوسان بھی
آ گئی جب ضد تو یہ آندھی بھی ہے طوفان بھی
جوش میں آگے بڑھی عورت، تو پھر رکتی نہیں
دِل تو دِل چاہت میں دے دیتی ہے اپنی جان بھی

بروٹس : یہودی۔ چونکہ تم بھی اس دعوے کی تائید کرنے والے تھے۔ اس لیے اب تم کیا کہتے ہو؟

عزرا : جس قدر افریقہ کے بیابان میں ریت کے ذرے ہیں۔ ان سے بھی زیادہ میرے پاس بولنے کے لیے الفاظ تھے لیکن اس ناعاقبت اندیش چھوکری کی وجہ سے میں اب کچھ کہنا نہیں چاہتا اور قسمت کے فیصلے کے سامنے سر جھکاتا ہوں۔

بروٹس : تو اب میرا صرف اتنا فرض رہ گیا ہے کہ اپنا آخری حکم سنادوں.... شہزادہ مارکس آپ کو عزت و آبرو کے ساتھ رہا کیا جاتا ہے... اور حنا اور عزرا، تمھیں ایک رومن شہزادے پر جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں زندہ آگ میں جلائے جانے کی سزا دی جاتی ہے۔

حنا : سزا۔ کس کو؟ مجھ کو یا میرے باپ کو؟

بروٹس : دونوں کو۔

حنا : مگر یہ انصاف کے خلاف ہے۔

بروٹس : میرا یہ فیصلہ مطابقِ انصاف ہے۔

حنا : ارے نہیں نہیں۔

غارت کرو مجھے مرے پھوٹے نصیب کو
لیکن بچاؤ بخش دو بوڑھے غریب کو

بروٹس : قانون اپنے فیصلے میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں دیکھتا.... جاؤ اور اپنی قسمت کے موجودہ فیصلے کو صبر کے ساتھ برداشت کرو۔

مارکس : بزرگ باپ۔ اپنے شہزادے اور اس ملک کے ہونے والے بادشاہ پر ایک عنایت۔

بروٹس : کیا؟

مارکس : تھوڑی شفقت۔

بروٹس : یعنی۔

مارکس : اپنی طاقت اور اثر کو کام میں لایئے۔ جس طرح ممکن ہو ان دونوں کی جان بچایئے۔

بروٹس : مگر عدالت؟

مارکس : وہ آپ کے قبضے میں ہے۔

بروٹس : قانون؟

مارکس : وہ آپ کا حکم ہے۔

بروٹس : موجودہ فیصلہ؟

مارکس : وہ آپ کی رائے ہے۔

بروٹس : بادشاہ کی مرضی؟

مارکس : وہ آپ کی مٹھی میں ہے۔

بروٹس : اپنے فیصلے کی آخری سطریں لکھتے وقت جب میں نے اس یہودی دوشیزہ کے بھولے چہرے کی طرف دیکھا تھا تو ایک نامعلوم جذبے کے اثر سے میری انگلیاں تھرتھرانے لگی تھیں۔ اور اب بھی جب کہ یہ موت کی طرف جارہی ہے۔ اپنی روح میں ایک عجیب ولولہ اور اضطراب محسوس کر رہا ہوں... اچھا آپ جایئے۔ مجھ سے جو ممکن ہوگا وہ کروں گا۔

مارکس : تو میں ان دونوں کی زندگی آپ کو بطور امانت کے سپرد کرتا ہوں۔

بروٹس : میں کوشش کروں گا کہ دیانت دار امین ثابت ہوں (مارکس جاتا ہے) حنا تم اپنے باپ کو پیار کرتی ہو؟

حنا : اپنے مذہب کی طرح۔

بروٹس : اس کی زندگی محفوظ رکھنا چاہتی ہو؟

حنا : اپنی عصمت و عزت کی طرح۔

بروٹس : تب اس خیال پر قائم رہنا۔ (عزرا کو مخاطب کر کے) یہودی یہ تمھاری اولاد ہے؟

عزرا : بے شک۔

بروٹس : اولاد کے لیے ماں باپ اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں؟

عزرا : یقیناً۔

بروٹس : تو اولاد کی سلامتی کے لیے تمھیں روایت پرستی کے عقاید کو نثار کرنا ہوگا۔ جان بچانا چاہتے ہو تو اپنے بزرگوں کا مذہب چھوڑ کر تم دونوں کو رومن دین اختیار کرنا ہوگا۔

عزرا : فکر، دکھ، بیماری اور بڑھاپے کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی زندگی کی قیمت، مذہب سے ادا کروں؟ اس چند روزہ دنیا کے لیے ابراہیم اور موسیٰ کے خدا سے دغا کروں؟ ؎

اک یہودی لاکھ دکھ ہوں دین سے ٹلتا نہیں
یہ ہے وہ فولاد جو بھٹی میں بھی گلتا نہیں
غم نہیں، کچھ بھی ہو، خوش ہوں شاد بھی ناشاد بھی
دین پر صدقے ہوں میں بھی اور مری اولاد بھی

بروٹس : مذہبی دیوانے۔ موقعے کی نزاکت پر دھیان کر۔ تعصب اور جہالت پر، اپنی اور اس کی زندگی نہ قربان کر۔

عزرا : زندگی؟ زندگی دنیا کا دھوکا ہے۔ ایک بوڑھا جو اس مکار دنیا کے سینکڑوں دھوکے کھا چکا ہے اب اس نئے دھوکے میں کبھی نہ آئے گا۔ ؎

کوئی جیتا ہے جہاں میں جاہ و دولت کے لیے
کوئی جیتا ہے فقط رعب و حکومت کے لیے

کوئی عزت کے لیے اور کوئی شہرت کے لیے
میں فقط جیتا ہوں اپنے دین و ملت کے لیے
ہے نجات دائمی کی، زندگی میں راہ ایک
قبر کے منہ سے بھی بولوں گا کہ ہے اللہ ایک

بروٹس : عزرا بے وقوف نہ بن۔ یہ میری مہربانی ہے جو اس وقت تیری جان بچانے کو تیار ہوں۔ ورنہ تو جانتا ہے کہ میں یہودیوں کی صورت تک سے بیزار ہوں۔

عزرا : اور یہ اسی نفرت اور بیزاری کا نتیجہ ہے کہ قدرت نے تمھارا غرور توڑ دیا ہے۔ تمھارا گھر بار، بیوی، بچہ سب کچھ چھین کر تمھیں اس دنیا میں تنہا جلنے اور کڑھنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

بروٹس : میری پچھلی زندگی کے حالات تو کیسے جانتا ہے؟

عزرا : بیدرد رومن۔ عزرا آج سے نہیں تجھے سولہ برس سے پہچانتا ہے۔ ؎

ہم یہودی آپ کے لطف و کرم بھولے نہیں
آپ بھولے آپ کو صید ستم بھولے نہیں
دل کے داغوں کو سمجھتے ہیں نشانی آپ کی
یاد ہے ہم سب کو اک اک مہربانی آپ کی

بروٹس : میں نے تیری قوم کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ اسی کی مستحق تھی۔ مگر اب میری رحم دلی دیکھ کہ تجھے سراسر مجرم پاتا ہوں اور پھر بھی تیری جان بچاتا ہوں۔

عزرا : جان۔ جان کی اب مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ البتہ اتنی آرزو ہے کہ مرنے سے پہلے، ایک قاتل، پُر فن، بے رحم رومن کا سب کس بل نکال دوں۔ اس کے پتھر جیسے کلیجے میں چٹکیاں لے لے کر سوراخ ڈال دوں۔ ؎

میں ہنستا، اور کلیجہ تھام کر روتا ہوا تو ہو۔
مری آنکھوں میں نفرت اور تری آنکھوں میں آنسو ہو

بروٹس : میں تجھے سخت بیوقوف پاتا ہوں۔

عزرا : میں تجھے آج سے سولہ برس پہلے کا واقعہ یاد دلاتا ہوں۔ جس وقت شاہ نیرو کے حکم سے شہر روما میں چاروں طرف آگ بھڑک رہی تھی، اُس وقت تیرے گھر میں ایک خوبصورت بیوی اور اس کی گود میں ایک چھ ماہ کی بچی تھی۔

بروٹس : اس بات کی یاد دلانے سے تیری مراد کیا ہے؟

عزرا : میں پوچھتا ہوں کہ ان دونوں کے آگ میں جل جانے کا واقعہ تو تجھے یاد ہے؟

بروٹس : ہاں۔ میں اُس منحوس دن کو، جس روز موت نے میری بیوی اور بچی کو مجھ سے چھین لیا، کبھی نہیں بھول سکتا۔

ابھی تک غم سے کڑھتا ہے، ابھی تک یاد کرتا ہے
مرا ٹوٹا ہوا دل، آج تک فریاد کرتا ہے

عزرا : نیرو کی آگ تیری بیوی کے لیے آتشیں کفن ثابت ہوئی مگر اس کے سینے سے لپٹی ہوئی تمھاری چھ ماہ کی معصوم بچی، جو مردہ لاش پر قدرت کی آنکھ سے ٹپکا ہوا افسوس کا آنسو معلوم پڑتی تھی....

بروٹس : کیا وہ زندہ رہی؟

عزرا : ہاں۔

بروٹس : اور ابھی تک زندہ ہے؟

عزرا : ہاں۔

بروٹس : اسے کس نے بچایا؟

عزرا : خدا کی ذات نے۔

بروٹس : کس نے آگ سے نکالا؟

عزرا : ایک رحم دل یہودی کے ہاتھ نے۔

بروٹس : اُس کا نام؟

عزرا : نہیں بتا سکتا۔

بروٹس : اس کا ٹھکانہ؟

عزرا : نہیں بتا سکتا۔

بروٹس : اُس سے ملنے کا طریقہ؟

عزرا : نہیں بتا سکتا۔

بروٹس : نہیں عزرا تجھے بتانا ہوگا۔

عزرا : ہرگز نہیں۔ یہ میرا راز ہے، جو میری جان کا دم ساز ہے۔

بروٹس : عزرا۔ عزرا۔ مجھ پر رحم کر۔

عزرا : رحم۔ رحم۔ آج یہ پہلا روز ہے کہ رحم کا لفظ تمھاری زبان سے نکلا۔ اب تو تمھیں معلوم ہوگا کہ رحم کی ضرورت مظلوم یہودیوں ہی کو نہیں بلکہ ظالم رومنوں کو بھی ہوا کرتی ہے۔ ایک کنگال مفلس یہودی کے پاس رحم کہاں سے آیا۔ جاؤ اپنے بیدرد قانون سے مانگو۔ اپنی ظالم قوم سے طلب کرو۔ اپنے نامنصف دیوتاؤں کے آگے ہاتھ پھیلاؤ۔ بھیک مانگو۔ گڑگڑاؤ۔

کیا کیا ہے غیب سے جو رحم کی سوغات آئے
بیج ہی بویا نہیں تو پھل کہاں سے ہاتھ آئے

بروٹس : بتادے عزرا۔ بتا دے میں اپنے پچھلے قصوروں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور یہ سر جو مذہبی پیشوا کا تاج پہنے کے بعد اس ملک کے بادشاہ کے سامنے بھی نہیں جھکا، آج تیرے قدموں پر جھکاتا ہوں۔

عزرا : کیوں؟ کیسا جھٹکا لگا؟

اپنے اوپر آئی تو بھولا سبق یاد آگیا
غیب سے گھونسا پڑا تو کیسا سر چکرا گیا
بیٹھنے دیتے نہ تھے مکھی بھی کل جس ناک پر
سر جھکا کر اب رگڑتے ہو اسی کو خاک پر

جس کو دہراؤں، سبق ہی ایسا سکھلایا نہیں
کیوں ترس کھاؤں میں جب تم نے ترس کھایا نہیں

بروٹس : تو انکار؟

عزرا : لاکھ بار۔

بروٹس : نہیں جواب دے گا؟

عزرا : نہیں۔

بروٹس : نہیں بتائے گا؟

عزرا : نہیں۔

بروٹس : نہیں رحم کرے گا؟

عزرا : نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔

بروٹس : اچھا نہیں تو نہیں سہی۔ اب میں زبردستی تیرے سینے سے یہ راز اگلواؤں گا۔ تیری ایک ایک بوٹی کا قیمہ کرکے اپنے کتوں کو کھلاؤں گا۔ جاؤ۔ لے جاؤ۔

جلادو، پھونک دو، جھگڑا ہی پاک کر ڈالو
شجر کے ساتھ ثمر کو بھی خاک کر ڈالو
رکھے اسے بھی وہیں، جس جگہ یہ آپ رہے
اب اس زمین پہ بیٹی رہے نہ باپ رہے

حنا : اے رومن سردار۔

بروٹس : مُردار۔

عزرا : خبردار۔

(پردہ)

تیسرا ایکٹ - پہلا سین

راستہ

(حنا سپاہیوں کے ساتھ قیدخانے کی طرف جاتی دکھائی دیتی ہے)

تیسرا ایکٹ - دوسرا سین

دارالعذاب

بروٹس : عزرا۔ تو دعویٰ کرتا ہے کہ یہودی ہم رومنوں سے مذہب، نیکی اور فراخ دلی میں افضل ہیں؟

عزرا : بے شک۔

بروٹس : تو اس کا ثبوت دے۔

عزرا : کس طرح؟

بروٹس : ثابت کر کہ تو درگذر اور نیکیوں کا دلدادہ ہے۔ ثابت کرکہ تیری روح میں انتقام سے رحم کا مادہ زیادہ ہے۔

عزرا : مگر میں رحم کس پر کروں؟

بروٹس : مجھ پر۔

مرہم ہے ترے پاس مرے زخم جگر کا
بتلا دے مجھے حال، میری نورِ نظر کا

عزرا : سب ہوگا۔ یہی نہیں ہوگا۔

تماشا دیکھتے تھے تم غریبوں کے تڑپنے کا
پڑا ہے صبر، اب اُن بے گناہوں کے کلپنے کا
کڑھو معلوم ہو تا کہ ستم کیا ہے جفا کیا ہے
تمھیں بھی تو خبر ہو کہ تڑپنے میں مزا کیا ہے

بروٹس : عزرا جو مفلس ہے وہ دولت چاہتا ہے۔ جس کے پاس دولت ہے وہ خطاب

چاہتا ہے۔ جس کے پاس خطاب ہے وہ حکومت چاہتا ہے۔ میں تمھیں یہ تمام چیزیں بیک وقت دینے کو تیار ہوں۔ یہ سب لے لے اور اپنے دل کا راز مجھے دے دے۔

تری اُجڑی ہوئی قسمت کی دنیا پھر سے بستی ہے
بتا۔ اک ہاں سے تجھ پر دولت و عزت برستی ہے

عزرا : خود غرض رومن۔ تیرے ظلم و ستم کا کفارہ دولت سے ادا نہیں ہو سکتا۔ دولت اور خطاب زندگی کے خیالی سائے ہیں۔ اگر تو تمام دنیا کی دولت سمیٹ کر مجھے دے دے، تو بھی یہ ان آنسوؤں کی قیمت نہیں ہوسکتی جو تیرے ظلم و ستم نے مظلوموں کی آنکھوں سے ٹپکائے ہیں۔

تو ہی ہے، چھین لیا جس نے سکھ نصیبوں کا
تو ہی ہے، جس نے اُجاڑا چمن غریبوں کا
کبھی بلکتے تھے وہ، آج تو بلکتا ہے
انھیں کا خون ہے جو آنکھ سے ٹپکتا ہے

بروٹس : تو ظلم کر رہا ہے۔

عزرا : تجھ سے تھوڑا۔

بروٹس : تو بے رحم ہے۔

عزرا : تجھ سے کم۔

بروٹس : تو جہنم میں جائے گا۔

عزرا : تیرے بعد۔

بروٹس : تو نہیں؟

عزرا : نہیں۔

بروٹس : کب تک؟

عزرا : موت تک۔

بروٹس : اچھا تو دونوں کو حوالۂ عذاب کرو۔ موت کے کڑوے پیالے کو اور زیادہ کڑوا

بنانے کے لیے، باپ سے پہلے بیٹی کو کباب کرو۔ ؎

اس طرح بھونو کہ ٹوٹے کوہِ غم گمراہ پر
لاکھ لاکھ آنسو بہائے اس کی اک اک آہ پر

حنا : لاؔ پیارے لاؔ۔ مرنے سے پہلے مجھے برکت دو کہ میرے دل سے موت کا خوف نکل جائے اور عورت کی فطرت بات پر جان دینے والے مرد کے ارادے سے بدل جائے۔ ؎

بل نہ تیور پہ پڑے، دل نہ گھٹے، آن نہ جائے
جان اس طرح سے دوں بات رہے شان نہ جائے
کر دوں حیرت زدہ جرأت سے جفاکاروں کو
پھول سمجھوں میں، دہکتے ہوئے انگاروں کو

عزرا : اُف۔ اس لڑکی کی محبت اور میرے ارادے میں جنگ شروع ہو گئی۔ بچاتا ہوں تو یہودی مذہب کی برکت اور نجات سے محروم رہی جاتی ہے اور نہیں بچاتا تو جنگل کی سوکھی ہوئی لکڑی کی طرح بھاڑ میں جھونک دی جاتی ہے۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ؎

میں راہ کون سی بول اے دل شکستہ لوں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا، کدھر کا رستہ لوں
اُسے حوالے کروں، یا جفا پسندوں کو
خدا کو سونپ دوں اس کو کہ اس کے بندوں کو

بروٹس : عزرا۔ دنیا کے کسی باپ کے کلیجے میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اپنی اولاد کی دردناک موت اپنی آنکھ سے دیکھ سکے۔ عقل سے پھر صلاح لے۔ تو دو حرف دے کر اس کی زندگی مجھ سے مول لے سکتا ہے۔ ؎

راز جس صندوق میں ہے بند اُس کو توڑ دے
کھول دے دل کی گرہ، یہ لب ہلا، ضد چھوڑ دے

عزرا : یہ دنیا بڑی دل چسپ اور خوب صورت ہے۔

حنا : بے شک لیکن اس وقت تک جب تک دل کے ساتھ امید و مسرت ہے۔

عزرا : ایک جوان آدمی کو دنیا چھوڑتے وقت، بوڑھے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

حنا : سچ ہے۔ لیکن جو انسان مصیبت کے شروع ہوتے ہی مصیبت کا خاتمہ کر دے۔ اُس کے فہم و دور اندیشی کی تعریف ہوتی ہے۔

عزرا : اگر تو چاہے تو اس دنیا میں زندہ رہ سکتی ہے۔

حنا : بغیر خوشی کے۔ بغیر اُمید کے۔ بغیر تمھارے؟ نہیں پیارے ابا نہیں۔ ؎

نفرت ہے مجھ کو شہد سے اور سم قبول ہے
یہ ہولناک موت، یہ ماتم قبول ہے
تنہا جو ہوں، تو چھوڑ کے بھاگوں بہشت کو
تم ساتھ ہو تو مجھ کو جہنم قبول ہے

عزرا : حنا۔ زندگی ایک سلطنت۔ روح اس کی بادشاہ۔ اور مذہب اس بادشاہ کے سر کا تاج ہے۔ اگر زندگی کو موت کے حملے سے بچانا چاہتی ہے تو سر کا تاج اتار کر پیروں سے مل ڈال۔ اپنا مذہب اور ایمان بدل ڈال۔ ؎

دین و دنیا دونوں، منھ بھر دیتے ہیں محتاج کا
اس کا وعدہ پر ہے کل کا، اِس کا وعدہ آج کا

حنا : ابا جان۔ ؎

کروں ایمان پر قربان، دنیا کی بہاروں کو
مرے گھر میں ہے جب سورج تو کیا دیکھوں ستاروں کو
خضر نے عمر اور قاروں نے زر پایا تو کیا پایا
اُسے دنیا میں سب کچھ مل گیا، جس نے خدا پایا

بروٹس : جب اسے تبدیل مذہب سے انکار ہے، تو دیر بیکار ہے۔ ڈال دو کڑھاؤ میں۔

عزرا : بروٹس۔ اس پر رحم کر۔

بروٹس : نہیں۔

عزرا : اسے چھوڑ دے۔

بروٹس : ہرگز نہیں۔

عزرا : اس کی زندگی بھیک میں دے دے۔

بروٹس : کبھی نہیں۔ اگر اپنی اور اس کی زندگی کا پیار ہو تو وہ سوال جس کو میں دہراتے دہراتے تھک گیا ہوں اس کا جواب دینے کو تیار ہو۔

عزرا : اچھا بتاتا ہوں۔

بروٹس : بتاتا ہوں؟

عزرا : ہاں۔

بروٹس : تو بول۔

عزرا : ایک شرط سے۔

بروٹس : بیان کر۔

عزرا : ان کو تاکید کردے کہ جس وقت میں تیری لڑکی کا حال بیان کرچکوں تو پس و پیش کے خیال کو دل سے نکال دیں اور بغیر دوسرا حکم پائے اس لڑکی کو اٹھا کر تیل کے کڑھاؤ میں ڈال دیں۔

بروٹس : میں اس شرط کو منظور کرتا ہوں۔

عزرا : دل و جان سے؟

بروٹس : دین و ایمان سے۔

عزرا : اچھا تو سنو۔ شہر روما کے جلنے سے دو برس پہلے کا واقعہ ہے کہ تو نے محض سلام نہ کرنے کے جرم میں میری پانچ برس کی بچی کو اس کی ماں کی گود سے زبردستی چھین کر شیروں کے پنجرے میں ڈال دیا تھا۔ مگر اب ایک یہودی کا سلوک دیکھ کہ اُس وقت جب کہ ظالم نیرو کے حکم سے تمام شہر میں آگ لگی ہوئی تھی میں نے تیرے جلتے ہوئے محل میں گھس کر تیری چھ ماہ کی اکلوتی بچی کو موت کے منھ سے باہر نکالا۔ اور انتقام اور کینہ کو جس سے میرا سینہ جل رہا تھا، بھول گیا۔ اور اسے اپنی اولاد کی طرح پالا۔

بروٹس : تو نے نکالا؟ تو نے پالا؟

عزرا : ہاں میں نے۔ میں نے۔ ظالم رومن۔ ایک یہودی نے اور اس یہودی نے جسے تم ٹھوکریں مارتے تھے۔ جسے کتا سمجھ کر دھتکارتے تھے۔ ؎

روئی جو اُس کے حال پہ، اُس چشم نم کو دیکھ
اپنے ستم کو دیکھ، ہمارے کرم کو دیکھ

بروٹس : مگر وہ کہاں ہے؟

عزرا : کیا جن آنکھوں سے خدا کی ہزاروں قوتوں کو دیکھ کر بھی اُسے شناخت نہیں کرسکتے، ان آنکھوں سے اپنی لڑکی کو بھی نہیں پہچان سکتے؟ دیکھو۔ غور سے دیکھو۔ خون آپ سے آپ جوش مارے گا۔ اگر تمھارا ہی لہو ہوگا تو رگوں کے اندر سے پکارے گا۔

بروٹس : نہیں عزرا نہیں۔ تو مجھ سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ تیر و تلوار سے نہیں مار سکتا، اس لیے جھوٹی خوشی دلا کر دیوانہ بنا دینا چاہتا ہے۔ ؎

شکل دکھلا دے کہ نور آئے خجل آنکھوں میں
شوق دیدار سے کھنچ آیا ہے دل آنکھوں میں

عزرا : وہ دیکھ۔ تیرے سامنے ہڈی اور خون سے بنا ہوا ایک آئینہ کھڑا ہے۔ اُسی آئینے میں تجھے، تیری کھوئی ہوئی لڑکی کی صورت نظر آئے گی۔ جو تیرے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچائے گی۔

بروٹس : یہ تو ایک یہودن لڑکی ہے۔

عزرا : یہودن نہیں، رومن نژاد ہے۔ میری نہیں تیری اولاد ہے۔

بروٹس : میری؟

عزرا : ہاں تیری۔ یہی وہ لڑکی ہے جسے میں نے بھڑکتی ہوئی آگ سے باہر نکالا اور اپنی اولاد بنا کر حتا کے نام سے پالا۔

بروٹس : اس کا ثبوت؟

عزرا : تیرے خاندان کی یادگار یہ تعویذ و عقیق کی مالا۔ ؎

خدا کی دین ہے ملتا ہے یہ نصیبوں سے
ہے رحم سیکھنا تو سیکھ ہم غریبوں سے

بروٹس : ٹھیک۔ یہ وہی مالا ہے۔ جو پیدائش کے روز نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لیے میں نے لڑکی کے گلے میں پہنائی تھی۔ پہچان لیا۔ وہی۔ وہی.... آ... میرے دل کا سرور... میری آنکھوں کا نور... آ۔

حنا : ابا جان۔

عزرا : ٹھہرو۔ میرا وعدہ پورا ہوچکا۔ اب تمھارا وعدہ پورا ہونے کا وقت آیا۔ چلو۔ فکر و حیرت کو دل سے نکال دو۔ اور باپ کے سامنے بیٹی کو اٹھا کر تیل کے کڑھاؤ میں ڈال دو۔

بروٹس : نہیں عزرا۔ اب یہ نہیں ہو سکتا۔

عزرا : نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہیں ہو سکتا؟

جب تلک یہ جانتے تھے، غیر کی اولاد ہے
تب تلک یہ تھا زباں پر قابل بیداد ہے
جب کھلا یہ کون ہے، کیا ذات، کیا بنیاد ہے
تب یہ چلانے لگے، فریاد ہے فریاد ہے
کیا ہوئی وہ ضد، کہاں ہے زور و شور اب آپ کا
سامنے بیٹی کے ملنے دو کلیجہ باپ کا

حیرت اور خوف کی تصویریں بن کر حرکت کرنا کیوں بھول گئے؟ ثابت کرو کہ تم زندہ ہو۔

بروٹس : نہیں عزرا نہیں۔ میری غرور کی زندگی ختم ہو گئی۔ میرے اقتدار کا سر بلند قلعہ ایک ہی زلزلے میں ریزہ ریزہ ہوکر اپنی خاک میں کفن پوش ہو گیا۔

جب پڑی خود اپنے سر پر ضرب، عبرت ہو گئی
غیر کا بھی دکھ ہے دُکھ، مجھ کو نصیحت ہو گئی

تیسرا ایکٹ - تیسرا سین

دربار

(سب کا خوشی میں بیٹھے ہوے دکھائی دینا)

بروٹس : میرے محسن عزرا۔ میرے عزیز بھائی۔ اگرچہ محبت پدری کا کچھ اور ہی ارادہ ہے۔ مگر حتا پر مجھ سے تمھارا حق زیادہ ہے۔ اس لیے جس دین و مذہب میں اس نے پرورش پائی ہے اُسی دین و مذہب میں رہے گی۔ جس طرح آج تک تمھیں اپنا باپ کہتی رہی ہے، اُسی طرح ہمیشہ کہے گی۔

مارکس : پیاری حتا۔ میں تمھارا گنہ گار ہوں۔ اور جو سزا تجویز کرو اس کو بخوشی برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

حتا : میں تمھیں یہی سزا دیتی ہوں کہ جس طرح مجھے دھوکا دیا ہے، اُسی طرح آئندہ کسی اور عورت کو دھوکا نہ دینا۔

آکٹیویا : پیاری بہن۔ جب تم رومن نسل اور رومن باپ کی اولاد ہو تو تمھارا بادشاہ تمھارے لیے شادی کے قانون میں ضرور ترمیم کر دے گا۔

بادشاہ : ایسا ہی ہوگا۔

آکٹیویا : اس لیے میں چاہتی ہوں کہ اب جو دور تھا وہ قریب ہو۔ میری خوشی اور راحت میں تم بھی برابر کی شریک ہو۔

حتا : بس اب میں راحت، خوشی، آرام، اِس جھوٹی دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہتی..... تم دونوں جیو اور خوش رہو۔

آکٹیویا : تو بہن۔ تم اس جھوٹی دنیا میں تنہا رہ کر کیونکر زندگی بسر کروں گی؟

حنا : میں.....

(حنا کا گانا)

اپنے مولا کی میں جوگن بنوں گی۔
جوگن بنوں گی، بروگن بنوں گی۔ اپنے مولا....
تیرے عشق میں پہنی کفنی چھوڑا زیور گہنا
تو جس رنگ میں خوش ہو پیارے اُسی رنگ میں رہنا۔ اپنے مولا...
کوئی جائے مسجد میں اور کوئی جائے مندر
ہم نے تیرا جلوہ پایا پیارے دل کے اندر۔ اپنے مولا...
کوئل بن کر جنگل ڈھونڈھا، بلبل بن کر گلشن،
کلیاں چُن چُن میں نے دیکھی بن کر تیری مالن۔ اپنے مولا...

(پردہ)